وانّہ لعلم للساعۃ فلا تمترنّ بها

الحمد للّٰہ کہ دریں ایام میمنت انجام کتاب لاجواب قاطع اعناق ملاحدہ

قل جاء الحق — مسمّی — وزهق الباطل

بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح

سنہ ۱۳۱۱ھ

ان الباطل — آفتاب صداقت — کان زهوقا

از مولوی ابو الحسن پیر غلام مصطفیٰ مصنف انوار محمدیہ

مطبع وزیر ہند امرتسر طبع گردید

قیمت .... فی جلد .... بلا محصول ۱۲

137273

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدیٰ لمن الیٰ ھداہ مال وھاد وارشد الیٰ فہم الحقائق لمن فی تحقیق
الحق اشتد واد واشاد بذکر من جاد بالوصول الی لدقائق القرآنیہ وفی رضاہ جاد
من خاض فی آیاتہ خوض من لم ینب الیہ فھو ممن اناب الیہ صاد وعن سبیلہ صاد
وفی بواد الحیرۃ کالحمار الحیدی حاد وذید عن حظیرۃ قدسہ اشد الذیاد ومن
تنحی بسوادہ عن سواد عبادہ الصالحین فھو احری بان یسود وجہہ بالسواد کلا بان
یسود او یساد ومن عاد لعصیانہ من ای عاد کان کما اعتاد عاد فقد عاد الی شر
معاد والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علی حبیبہ وصفیہ محمد سید الانبیاء

سب تعریفیں ثابت ہیں خاص پروردگار کو جس نے راستہ دکھلایا اوسکو کہ جس نے اوسکی راہ نمائی کی جانب میلان
کیا اور وہ راہ نمائی کی اوسنے حقائق کے سمجھنے کیطرف اُس شخصکو جو حق کی تحقیق میں مضبوط اور قوی ہوا اور دقائق
قرآنیہ میں کامل الوصول اور اوسکی رضامندی مین جان نثار کرنے والیکا مرتبہ بلند کیا۔ جسنے اوسکی آیات
میں خوض کیا مانند اُنکے خوض کے کہ جنھوں نے خدا کی طرف رجوع نہیں کیا۔ پس وہ شخص اُن لوگوں میں سے
کہ جنھوں نے خدا کی جانب رجوع کیا ہی سرکش اور متکبر ہے۔ خدا کی راہ سے مانع ہے۔ حیرت۔ گمراہی کی
میدانوں میں وحشی گدھے کیطرح دور پڑا ہوا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی پاک بارگاہ سے مردود ہوا۔ جس شخص نے اپنے آپکو
خدا کے نیک بندونکی جم غفیر سے الگ کیا وہ روسیاہی کا مستحق ہے سرداری کے قابل نہیں۔ جو شخص گناہوں پر خوگر ہوا۔ گو
کسی قوم سے ہو جیسے کہ خوگر ہوا تہا قوم عادؔ پس بلاشبہ بری انجام کیطرف لوٹا۔ اکمل۔ اتم درود وسلام ہو حبیب خداوند تعالیٰ کے
برگزیدہ۔ پیارے پر۔ جنکا اسم شریف محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جو سردار ہیں انبیاء

Marfat.com

والاولیاء من الاقطاب والاوتاد الذی تخضع دون سرادقات دولته القیاصرة
والاکاسرة وکل منصم فی جنابه تاد وانقاد ومن تکبر واعرض عنه وفاد وعن استماع
مواعظه اضفاد فقد اباده الله فباد وکاد ان یکاد دار البوار یوم التناد وعلی آله
وصحبه الذین هم خزنة اسرار الدین المتین وباتباعهم ساد من ساد وبشقاقهم
وخلافهم زاغ عن الصراط السوی من زاغ ووقع فی الالحاد وفسد قلبه اشد الفساد
کفساد طعام داد وبعد فیقول الراجی للترقی الی اوج القبول محمد غلام رسول
الحنفی[1] المجددی النوری القاسمی[2] حفظه الله عن شر کل لئیم غبی وغوی انه لما کثر الضلال

اولیاء کے اقطاب۔ اوتادمیں سے وہ نبی کہ جنکی سلطنت کی پردوں کے نیچے شہنشاہ عاجزی کرتے ہیں۔
ہر ایک نے امیں سے انکی جناب میں نرمی کی۔ جسنے السے مونھ پھیرا اور متکبرانہ ناز کیا۔ جو انکی نصائح کے سننے غصے سے
پھولا۔ بلا شک اسکو اللہ نے ہلاک کرڈالا۔ پس ہلاک ہوا۔ قریب ہے کہ جہنم میں قیامت کے دن گریگا۔ درود وسلام
ہو جیو آپکی قوم اور یاروں پر جو محکم دین کے اسرار کے خزانچی ہیں۔ انہی کی تابعداری سے سرداروں نے سرداری
پائی۔ انکے خلاف کرنے سے جو کجرو راہ مستقیم سے پہرا انہی کے خلاف سے ہے۔ بہیں سبب الحاد میں گرفتار
ہوا۔ کرم خوردہ طعام کیطرح اس کا دل فاسد ہوا۔ بعد حمد وصلوۃ کے فرماتے ہیں جو امیدوار ہیں قبولیت
کی بلندی پر چڑھنے کے جنکا نام نامی **محمد غلام رسول** ہے۔ مذہباً حنفی طریقۃً نقشبندی مجددی
نوری عرفاً اور نسباً قاسمی ہیں۔ بچاوے انکو پاک پروردگار ہر لئیم کند فہم کج عقل اور بہکے ہوئے کے شر سے
کہ جبکہ گمراہی۔

[1] حضرت مصنف مد اللہ ظلہم شرب نقشبندی مجددی نوری رکھتے ہیں مجدد سے حضرت امام ربانی حضرت
شیخ احمد فاروقی سرہندی جو مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مراد ہیں نوری سے حضرت عارف مشہور
فی الآفاق مروج دین محمد حضرت خواجہ نور محمد الفاروقی المعروف بحضرت باباجی تیراہی مولداً چوراہی مدفناً مقصود ہیں
قدس اللہ سرہما واوصل الینا برہما۔ [2] قاسمی عرفاً یہ حضرات حضرت مصنف عفی عنہ کے اجداد عالیہ سے ایک عارف
کامل ہیں جنکا نام نامی حضرت قاسم ابن عارف باللہ الجلیل حضرت بابا اسمٰعیل البہائی رحمۃ اللہ علیہما ہے اور انہیں کے
حق میں میر سعد اللہ رشاہ آبادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے نیز زوہست شیخ اسمٰعیل مردما نزا براہ راست دلیل اوران حضرت
علیہ الرحمۃ کا ادبی ایک تند ماسوای حضرت قاسم کر حضرت سعد الدین رحمۃ اللہ علیہ ہے اور تاریخ مذکور میں نسبت انکی لکھا ہے۔
[3] عارف وقت بود ومرد ولی + سعد بابائی احمد اکدلی +

والطغیان والبغی والعدوان فی ھذا الزمان من اجل الذی خرج من قادیان وادعی
انه المسیح الموعود به الاتی اخر الزمان وانه مات نبی اللہ عیسی بن مریم علی نبینا
وعلیه الصلوۃ والسلام ما دام الملوان وتعاقب القمران وانه لم یرفع بجسده
الی الخضراء فلا ینزل الی الغبراء واظهر عقائد الزنادقة ومکائد الملاحدة کل
مطالبه ومطالب من یحذو حذوه حذو النعل بالنعل الافساد فی البلاد وجل مآربهم
افشاء التزندق واشاعة العقائد الخبیثة الکفریة بین العباد واذاعة الارتداد
یدعون انهم هم المهتدون والحال انهم عن الصراط لناکبون وانهم الذین امنوا ثم
کفروا فطبع علی قلوبهم فهم لا یفقهون فان ماتوا علی ذلك فهم فی جهنم خالدون
تلفح وجوههم النار وهم فیها کالحون ویقال لهم الم تکن ایاتی تتلی علیکم فکنتم بها
تکذبون یخنعون بالسلف الصالحین خنعا ویحسبون انهم یحسنون صنعا ونحن
بین اظهر قوم یسبون العلماء ویبغضون الفضلاء صناعتهم السب والشتم والطغیان
وفی تفضیح الامرین الناهین اطالة اللسان لیس لهم من العقل سهم ولا بالدین

حق سے تجاوز۔ گردن کشی۔ ظلم اس زمانہ میں بسبب اسکے جو قادیان سے ظاہر ہوا ہے" زیادہ ہوا۔ اسنے
دعوی کیا۔ کہ جس مسیح کی آمد کا آخری زمانہ میں وعدہ دیا گیا ہے وہ میں ہوں۔ دعوی کیا اسنے کہ مسیح علیہ
السلام علی نبینا وعلیہ السلام مرچکے ہیں۔ نہ وہ بجسدہ آسمان پر چڑھائے گئے ہیں۔ اسلئے وہ زمین پر بھی
نہیں اتریگے۔ اُسنے بُری عقائد ظاہر کئے۔ نہیں ہے اسکا۔ ان لوگونکے جو اسکے مطابق ہیں مانند مطابقت نعل کے
نعل کے ساتھ مقصود مگر آبادیونمیں بگاڑ۔ فساد ڈالنا۔ تزندق پھیلانا۔ پلید کفریہ عقائد کا درمیان بندگان خدا شایع کرنا ہمکا
اعلی مطالب ہیں۔ ہم دعوی کرتے ہیں کہ ہم ہدایت یاب ہیں حالانکہ وہ سیدہی راہ سے برگشتہ ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ ایمان لایا
انہوں نے پھر کفر کیا انھوں نے پس خداوند تعالی نے انکے دلوں پر مہر کردی ہے جس لئے سمجھتے نہیں ہیں اس عقیدہ پر اگر وہ مرگئے تو وہ
جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ انکے مونہونکو آگ جلاویگی ہمیں ترش رو رہینگے کہا جائیگا انسے کیا تم پر نہیں پڑہی گئیں تھیں ہماری
آیتیں پس تھے تم انکو جھٹلاتے۔ بدگمانی کرتے اور سخت بدگمانی سلف صالحین کی نسبت کرتے ہیں۔ پھر گمان کرتے ہیں کہ
ہم یہ کام اچھا کرتے ہیں۔ ہم ایسی قوم کے درمیان ہیں کہ سب علما اور بغض فضلا جنکا پیشہ ہے سب و شتم طغیان انکا حرفہ ہے۔
ان لوگونکی فضیحت جو نیکی کا امر برائی سے منع کرتے ہیں فضیحت کرنیکے لئے زبان درازی کرنا انکا کام ہے۔ نہ تو انکو عقل سے حصہ نہ دین کی سمجھ ہے۔

Marfat.com

فهم لا يميزون بين القشر وبين اللباب ولا بين الدر وبين التراب ولا يفرقون
بين الشمال واليمين ولا بين الشيخ والجنين فهم حائرون فى اودية الظلم وضلال
مبين الا يعلمون ان لعنة الله على الظالمين ولما بلغ الامر الى ما رأيت وانتهى الفساد
الى ما تلوت ودريت التمس منى بعض الاحباب وخلص الاحباب ان اظهر فساد
دلائل الكاديانى على دعواه من موت عيسى صلى الله وسلم على نبينا وعليه حين ما رفعه
الله اليه واثبت حيوته بالآيات القرانية واكتفى بها من غير تعرض لذكر الاحاديث
النبوية على صاحبها الف الف تحية لان الكاديانى واتباعه لا يعتقد ونها ولا
يدينون بها ومن غير تعرض لسائر عقائدهم الفاسدة الكاسدة والمزخرفات
الواهية لعدم اشتهارها كاشتهار المسئلة الاولى ولعدم الفراغ لكثرة الاشتغال
بمطالعة الكتب السالفة المتداولة والافتاء للمستفتين وتعليم الطلبة والتنفر

پوست ۔ مغز ۔ موتی ۔ مٹی میں امتیاز نہیں کرتے ۔ شیخ ۔ جنین و آہنی با آہنی میں فرق نہیں کر سکتے ۔
ظلم ۔ ظاہر گمراہی کے میدانوں میں وہ حیران ہیں کیا نہیں جانتے ہیں کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے ۔
جبکہ اس درجہ پر فساد پہونچا تو ہم سے بعض محبوں ۔ دوستوں نے التماس کی کہ ہم کادیانی کی دلائل
کا ۔ جو اس نے اپنے دعوے (کہ مسیح علیہ السلام مر گئے ہیں اور صرف انکی روح مرفوع ہوئی ہے) پر پیش
کئے ہیں ۔ فاسد ہونا ظاہر کریں ۔ ہم انکی حیات آیات قرآنیہ کے ساتھ ہی صرف استدلال کر کے ثابت
کریں ۔ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکے ثابت کرنے کے لئے نقل نہ کریں گے ۔ اس[1] لئے کہ
در اصل کادیانی اور اسکے متبعین حدیث کو مانتے نہیں ہیں ۔ بغیر اسکے کہ ہم بجز اس عقیدہ کے اسکے
اور عقائد فاسدہ اور ملمعات واہیہ کی جانب التفات کریں ۔ کیونکہ وہ عقائد اسقدر مشہور نہیں ہوئے
جیسا کہ پہلا مسئلہ شہرت پا گیا ہے[2] ۔ چونکہ ہمکو بسبب اسکے کہ ہم کو کتب متداولہ قدیمہ کا مطالعہ ۔ افتاء تعلیم
کا بہت شغل ہے فراغت نہیں ہے ۔

[1] کیونکہ اگر احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر فرماتے تو زیادہ ہی طول ہو جاتا اسواسطے صرف قرآن
کی آیات کے ساتھ مسیح علیہ السلام کا زندہ ہونا ثابت فرمایا ۱۲ مترجم

[2] واضح رہے کہ در اصل ایسے مسائل کے بانی
اور مجتہد سید صاحب ہیں مگر کادیانی صاحب نے انھیں کو کچھ تبدل و تغیر دیکر ظاہر کیا اور اپنا ہی اختراع
جتا کر انکی شہرت سے حصہ لیا ہاں انا مسیح کا دعویٰ بھی اس پر زیادہ کیا ۱۲ مترجم

الطبیعۃ عن التوجہ الی امثال ہٰذہ الخرافات ولکرہتہا الالتفات عن
اشباہ ہٰذہ المزخرفات التی ھی کفریات صرفۃ وارتدادات محضۃ اعاذنا اللہ
تعالیٰ واعاذ سائر المسلمین من شرور ہٰذہ الطائفۃ الباغیۃ الملاحدۃ خذلہم
اللہ علیحدہ فاعتذرت منہم تارۃ بانصراف البال الی کثرۃ الاشغال وتارۃ بالتنفر
عن صرف الاوقات فی الالتفات الی الزور الصریح من ہٰذا المقال فقدمت رجلا
واخرت اخری ومع ذٰلک لم یترکوا الی عذرا وحملوا بہ علی جبرا فاجبت مسئولہم
حسب ما التمسوا وانجحت مامولہم علی ما اقترحوا فکتبت ہٰذہ الوریقۃ المختصرۃ
وسمیتہا بالالہام الصحیح فی اثبات حیوۃ المسیح وذکرت فیہا دلائل الکادیانی مہذبۃ
ومنقحۃ اولا ثم ازحتہا ثانیا فوضح الحق الصریح وبطل ماکان یعمل الکائد والمکیدون
فکبکبوا ونکسوا علی رؤسہم ہم والغاؤن وجنود ابلیس اجمعون فہا انا اشرع فی المقصود
متمسکا بحبل اللہ الودود واقول ان الکائد استدل علی موت عیسیٰ علیہ السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی وامثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹ کلمات کی
طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرف ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو
سرکش ملحد طائفہ کے ضرر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذر بیان کئے اولاً
کہ ہم بہت اشغال میں مصروف ہیں ثانیاً کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹ ہیں التفات نہیں چاہتے
ہیں۔ پس ہم ایک پاؤنکو آگے کو بڑہاتے۔ دوسرکو پیچھے پھر ہٹاتے باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔
انہونے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کی ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرز پر کہ انہونے
التماس کیا تھا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انھونے چاہا تھا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پر ہمنے لکھے۔ اس
کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح رکھا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی حتی الوسع اصلاح
اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید۔ تکذیب عمدہ طور پر لکھی۔ پس صریح طور پر حق واضح ہوا
مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے۔ شیطانی لشکر ہیں تمام سرنگون ہوئے۔
خبردار رہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پر بھروسا کرکے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام
کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

لہ عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہدیتے ہیں ۱۲ مترجم

بقوله تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم
علیٰ اعقابکم تقریر استدلاله وتهذیبه ان خلت بمعنی ماتت والرسل جمع معرف
بلام الاستغراق فلذا فرع علیه افائن مات الخ اذ لو لم یکن الخلو بمعنی الموت او لم
تکن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفریع اذ صحته موقوفة علی اندراج نبینا
صلی الله علیه وسلم فی لفظ الرسل المذکور قطعا وذلك بالاستغراق وکذا صحته
موقوفة علی کون الخلو بمعنی الموت اذ علی تقدیر التغائر وعموم الخلو من الموت یلزم
تفریع الاخص علی الاعم مع ان التفریع یتعقب استلزام ما یتفرع علیه للمتفرع ومن
المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفریع الواقع فی قوله تعالیٰ یستدعی تحقق
کلا الامرین من کون الخلو بمعنی الموت ومن کون الجمع مستغرقا وبعد کلتا المقدمتین

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مر جائیں
یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور اصلاح[1] یوں ہے کہ بتحقیق خلت کا معنے مر گئے ہے
الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرف ہے اسیواسطے اسپر اَفَاِنْ مَاتَ متفرع ہوا۔ کیونکہ اگر خلو کا معنے
موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہو تو اَفَاِنْ مَاتَ کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے۔ کہ اس
تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور
ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام اِستغراقی ہوگا۔
ایسا ہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو بمعنے موت ہو۔ اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت
سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ
تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لاغیر۔ یہ ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے،
پس ثابت ہوا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو
بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا
صغریٰ۔ دوسرے کو کبریٰ بنا دینگے شکل یہ ہے کہ

[1] جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی
طرف اشارہ ہے کہ کادیانی کو گو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلے اسکی دلیل کو سواریں گے ۱۲ مترجم

الطبیعة عن التوجه الی امثال هٰذه الخرافات ولکرهتها الالتفات عن
اشباه هٰذه المزخرفات التی هی کفریات صرفة وارتدادات محضة اعاذنا الله
تعالیٰ واعاذ سائر المسلمین من شرور هٰذه الطائفة الباغیة الملاحدة خذلهم
الله علیحدة فاعتذرت منهم تارة بانصراف البال الی کثرة الاشغال وتارة بالتنفر
عن صرف الاوقات فی الالتفات الی الزور الصریح من هٰذا المقال فقدمت رجلا
واخرت اخری ومع ذٰلک لم یترکوا الی عذرًا وحملوا بہ علی جبرًا فاجبت مسئولهم
حسب ما التمسوا وانجحت مامولهم علی ما اقترحوا فکتبت هٰذه الوریقة المختصرة
وسمیتها بالالهام الصحیح فی اثبات حیوة المسیح وذکرت فیها دلائل الکادیانی مهذبة
ومنقحة اولا ثم ازحتها ثانیا فوضح الحق الصریح وبطل ما کان یعمل الکائد والمکیدون
فکبکبوا ونکسوا علی رؤسهم هم والغاؤن وجنود ابلیس اجمعون فها انا اشرع فی المقصود
متمسکا بحبل الله الودود واقول ان الکائد استدل علی موت عیسیٰ علیہ السلام

نیز ہماری طبیعت کادیانی وامثالہ کے خرافات کی جانب توجہ کرنے سے متنفر۔ ایسے جھوٹ کلمات کی
طرف (جو کفریات اور ارتدادات صرفہ ہیں) ملتفت ہونے کو مکروہ سمجھتی ہے ہمکو اور باقی مسلمانوں کو
سرکش ملحد طائفہ کے ضرر سے خداوند تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ اسواسطے ہمنے ملتمسین سے عذر بیان کئے اولاً
کہ ہم بہت اشغال میں مصروف ہیں ثانیاً کہ ہم ایسے کلمات کیطرف جو صریح جھوٹ ہیں التفات نہیں چاہتے
ہیں۔ پس ہم ایک پاؤں کو آگے کرتے ہیں دوسرے کو پیچھے ہٹاتے ہیں[۱] باوجود اسکے ملتمسین نے کوئی عذر مسموع نہیں کیا۔
انہوں نے ہمکو حیات مسیح علیہ السلام کو ثابت کرنے پر مجبور کیا۔ لہذا ہمنے انکے سوال کو قبول کیا جسطرح پر کہ انہوں نے
التماس کیا تھا۔ ہمنے انکی امید براری کی جس طریق پر انھوں نے چاہا تھا۔ یہ چند ورقہ مختصر طور پر ہمنے لکھے۔ اس
کتاب کا نام الالہام الصحیح فی اثبات حیات المسیح رکھا۔ اول ہمنے کادیانی کے دلائل کی حتی الوسع اصلاح
اور تہذیب اور اچھی تنقیح کی بعد ازاں اسکے دلائل کی تردید۔ تکذیب عمدہ طور پر لکھی۔ پس صریح طور پر حق واضح ہوا
مکاروں۔ فریبیوں کا کام باطل ہوا۔ لہذا وہ لوگ اور انکی گروہ جو گمراہ ہے۔ شیطان کے لشکر ہیں تمام سرنگون ہوئے۔
خبردار رہو کہ ہم پروردگار کی مہربانی پر بھروسا کرکے مطلب شروع کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ کادیانی حضرت مسیح علیہ السلام
کی وفات پر اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ

[۱] عرب کا محاورہ ہے کہ جب کسی کام کا کرنا کبھی چاہتے ہیں اور کبھی نہیں چاہتے تو یہ جملہ کہدیتے ہیں ۱۲ مترجم

بقوله تعالىٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل انقلبتم
علىٰ اعقابكم تقرير استدلاله وتهذيبه ان خلت بمعنى ماتت والرسل جمع معرف
بلام الاستغراق فلذا فرع عليه افائن مات الخ اذ لو لم يكن الخلو بمعنى الموت او لم
تكن الرسل جمعا مستغرقا لما صح التفريع اذ صحته موقوفة على اندراج نبينا
صلى الله عليه وسلم فى لفظ الرسل المذكور قطعا وذلك بالاستغراق وكذا صحته
موقوفة على كون الخلو بمعنى الموت اذ على تقدير التغائر وعموم الخلو من الموت يلزم
تفريع الاخص على الاعم مع ان التفريع يتعقب استلزام ما يتفرع عليه للمتفرع ومن
المعلوم عدم استلزام الاعم للاخص فالتفريع الواقع فى قوله تعالىٰ يستدعى تحقق
كلا الامرين من كون الخلو بمعنى الموت ومن كون الجمع مستغرقا وبعد كلتا المقدمتين

نہیں ہیں حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) مگر اللہ کے فرستادہ بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے ہیں کیا اگر آنحضرت صلعم مرجائیں
یا مارے جائیں تو تم دین اسلام سے پھر جاؤگے۔ کادیانی کی استدلال کی تقریر اور اصلاح یوں ہے کہ بتحقیق خلت کا معنی مرگئے ہیں
الرسل کا لفظ الف لام استغراق کے ساتھ معرفہ ہے اسیواسطے اسپر اَفَاِنْ مَاتَ متفرع ہوا۔ کیونکہ اگر خلو کا معنے
موت نہ لیا جاوے یا الرسل جمع مستغرق نہو تو اَفَاِنْ مَاتَ کا اسپر متفرع ہونا صحیح نہیں ہوگا وجہ یہ ہے۔ کہ اس
تفریع کی صحت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے الرسل میں داخل ہونے پر موقوف ہے۔ اسمیں شبہ نہیں اور
ظاہر ہے کہ نبی صلعم کا لفظ الرسل میں داخل ہونا تب ہی درست ہوگا جبکہ الرسل کا الف لام استغراقی ہوگا۔
ایسا ہی اس تفریع کی صحت اس پر موقوف ہے کہ خلو بمعنے موت ہو۔ اسلئے کہ اگر موت اور خلو کے درمیان غیریت
سمجھیں۔ خلو کو موت سے عام لے لیں تو خاص کی تفریع عام پر لازم آویگی۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیا معلوم نہیں کہ
تفریع تب ہی درست ہوتی ہے کہ جب متفرع علیہ کو متفرع لازم ہو لا غیر۔ پر ظاہر ہے کہ خاص عام کو لازم نہیں ہے،
پس ثابت ہوا کہ جو تفریع کلام الٰہی میں واقع ہے اسکے لئے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک خلو
بمعنے موت ہو۔ دوم الرسل کا جمع مستغرق ہونا۔ ان ہر دو مقدمتین میں سے ایک کو شکل اول کا
صغریٰ۔ دوسرے کو کبریٰ بنا بینگے شکل یہ ہے کہ

سلہ جہاں کہیں حضرت مصنف علام مدظلہم نے تہذیب کا ذکر کادیانی کے استدلال میں فرمایا ہے اس سے اسکی
طرف اشارہ ہے کہ کادیانی کو گو دلیل پیش کرنیکا ڈھب نہیں آیا ہے مگر ہم اسکے بدلہ اسکی دلیل کو سواریں گے ۱۲ مترجم

Marfat.com

يقال ان المسيح رسول وكل رسول مات وينتج هذا القياس المؤلف من المقدمتين القطعيتين ان المسيح مات وهو المطلوب والدليل على الصغرى قوله تعالى ورسولاً الى بني اسرائيل وقوله تعالى ما المسيح بن مريم الا رسول وامثالها من الآيات وتسليم جميع الفرق الاسلامية برسالته عليه السلام والدليل على الكبرى المقدمتان الممهدتان المذكورتان لانه متى كان الخلو بمعنى الموت وقد اسند الى الرسل وثبت كونه جمعاً فيندرج فيه المسيح عليه السلام قطعاً فيلزم ثبوت الموت له في ضمن الكبرى فثبت ما بصدده الكيديون ويزاح بمنع كلتا المقدمتين وبمنع لزوم استحالة عدم صحة التفريع على تقدير ارتفاع كليتهما او احدهما حقيقة كما فهموا وزعموا وبكونها مشترك الورود مطلقاً بحسب الظاهر سلمت المقدمتان كلتاهما او منعتا وسند المنع الاول ان الخلو هو المعنى

مسیح علیہ السلام بے شک رسول ہیں۔ ہر رسول مرگئے ہیں۔ اب اس شکل سے جو دو یقینی مقدمتین سے مؤلف ہے یہ نتیجہ نکلیگا۔ بے شک مسیح علیہ السلام مرگئے۔ یہی مطلوب تھا صغرٰی[1] پر دلیل یہ کلام الٰہی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کیطرف فرستادہ ہیں۔ نیز یہ کلام ربانی جس کا معنے یہ ہے کہ نہیں ہیں مسیح بن مریم۔ مگر خداوند تعالے کے فرستادہ۔ انکی مانند اور آیات بھی ہیں جن سے مسیح علیہ السلام کا رسول ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ کا رسول ہونا کل اہل اسلام کے اجماع سے ثابت ہے۔ کبرٰی کے لئے دلیل وہ دو مقدمہ ہیں جنکی تمہید اور اصلاح ہو چکی ہے۔ کیونکہ جب خلو بمعنے موت ہوا اور اسکی نسبت الرسل کی جانب کی گئی۔ اور الرسل کا جمع ہونا ثابت ہوا تو مسیح علیہ السلام کا الرسل میں داخل ہونا یقیناً سمجھنا پڑیگا جبھی مسیح علیہ السلام کی موت کا کبرٰی کی ضمن میں ثابت ہونا لازم آویگا۔ بس کادیانیوں کا مطلب پایۂ ثبوت تک پہونچا۔ اس استدلال کی تردید وازالہ یوں ہے کہ یہ دونوں مقدمہ جو کبرٰی کی لئے دلیل بنائے گئے ہیں مسلّم نہیں ہیں۔ عدم صحت تفریع کا استحالہ اسصورت میں کہ دونوں مقدمہ یا ایک نہ پایا جاوے نیز مسلم نہیں۔ ہم اس استدلال کو اسطرح بھی توڑینگے کہ یہ استحالہ ہر حال لازم آویگا خواہ وہ دونوں مقدمہ مان لئے جائیں یا نہ اب پہلے منع کی سند سنتے جائیں کہ خلو کا معنے گذرنا ہے۔

[1] صغرٰی یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام رسول ہیں۔ کبرٰی یہ ہے کہ ہر رسول مرگیا۔ الرسل کا جمع مستغرق ہونا یعنے جو کہ اس سے تمام پیغمبر آدم علیہ السلام سے جناب رسول اکرم تک مراد رکھے جائیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

کما فسرہ ارباب اللغۃ واطالۃ الکلام بالنقل من کتب اللغۃ لا یلیق بھذا المختصر ولتیسر الاستغناء بمطالعتہا ولم یفسر احد من ارباب اللغۃ لفظ الخلو بالموت فعلم ان حقیقتہ اللغویۃ انما ھی المضی لا غیر کیف لا وقد تاید باسناد الخلو الی المنافقین فی قولہ عز وجل واذا خلوا الی شیاطینہم وفی قولہ تعالی واذا خلا بعضہم الی بعض وعدم ارادۃ موتہم بھذا اللفظ ظاھر واسند الخلو الی السنن وقیل وقد خلت من قبلکم سنن والی الایام کما فی سورۃ الحاقۃ فی قولہ عز وجل کلوا واشربوا ھنیئا بما اسلفتم فی الایام الخالیۃ ولا یتصور ان یراد بخلو السنن والایام موتہا بل مضیہا وھذا ظاھر لا یخفی علی احد فتفسیر الخلو بالموت تعریف لہ بالاخص والاخفی فان الموت نوع منہ والخلو

چنانچہ کتب لغات میں خلو کی یہی تفسیر موجود ہے۔ ہم انکی نقلیں اسواسطے پیش نہیں کرتے کہ وہ باعث طول ہے۔ اور یہ کتاب مختصر ہے۔ نیز جس کو علم سے کچھ تھوڑا بھی مس ہو وہ یہی کتب لغات کا ملاحظہ کرسکتا ہے۔ لیکن یہ تو ضرور کہدیں گے کہ خلو کا معنے کسی اہل لغت نے موت نہیں لکھی ہیں پس اس سے معلوم ہوگیا ہے کہ اصلی اور حقیقی معنے خلو کا بجز گذرنے کے اور کچھ نہیں ہے۔ ایسا کیوں نہو حالانکہ یہ حرف ثم ہے اس سے کہ قرآن شریف میں خلو کو منافقین کیطرف اس آیت میں نسبت کی گئی ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے جب منافقین اپنے شیاطین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں نیز جب منافقین میں سے بعض لوگ دوسرے منافقین کے پاس گذرتے اور جاتے ہیں اسطرح خلو کو قرآن شریف میں سنن کیطرف نسبت کی گئی ہے۔ دیکھو اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ تمسے پہلے سنن گذرے ہیں۔ اور دوسری آیت میں دنوں کی طرف اسکو نسبت ہے۔ دیکھو سورۃ الحاقہ میں ارشاد ہے کہ کھاؤ پیو بسبب اسکے کہ تمنے گذرے ہوئے دنوں میں آخرت کے لئے آگے ہی نیک اعمال کئے ہوئے تھے۔

پس قرآن سے بھی ثابت ہوا ہے کہ خلو کا معنے موت نہیں ہے بلکہ اسکا معنے گذرنا اور جانا ہے۔ لہذا اب متصور نہیں ہے کہ خلو کا معنے موت لیا جاوے۔ بلکہ بالضرور اس کا معنے گذرنا اور جانا ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ پس خلو کو موت کے ساتھ تفسیر کرنا یہ بعینہ اخص کے ساتھ تعریف کرنا ہے اسلئے کہ موت خلو کا ایک قسم ہے

يشمل على الانتقال المكاني بجميع اصنافه سواء كان ذلك الانتقال من الاعلى الى الاسفل ويسمى ذلك خفضا او من الاسفل الى الاعلى ويسمى ذلك رفعا او من القدام الى الخلف او بالعكس ويشمل على الموت بالجرح الذي هو القتل وعلى الموت بلا جرح فلا يلزم موت المسيح عليه السلام وان سلم الاستغراق فان ثبوت الاعم كالخلو مثلا وانكان لكل فرد فرد من نوع ما كنوع الرسل مثلا لا يستلزم ثبوت كل ما يندرج فيه من انواع ذلك الاعم لكل فرد فرد من ذلك النوع كما لا يخفى على من له ادنى دراية والتمسك على تفسيره بالموت دون المضى بلزوم استحالة تفرع الاخص على الاعم مزيف بان المتفرع في الحقيقة انما هو استبعاد الانقلاب وانكار جواز الارتداد على تقدير فقدان وجود الرسول صلى الله عليه وسلم من بين اظهر القوم بعد اداء الرسالة وتبليغ الاحكام الالهية فكان تقدير الكلام وما محمد الا رسول قد خلت اى مضت من قبله الرسل فهل يجوز لكم الارتداد بعد ما اقام لكم الدين المتين واظهر بينكم الشرع المبين ان نقل بالرفع كما رفع عيسى (هذا بالاجماع) او ادريس او بالموت كما حكمنا به

گذرنا ہر ایک قسم کے انتقال مکانی پر صادق آتا ہے اگر بلندی سے پستی کی جانب انتقال ہو تو اس گزرنے کا نام خفض۔ اگر پستی سے بلندی کیطرف انتقال ہو تو اس گذرنے کا نام رفع ہے۔ یا قدام سے خلف کیجانب یا برعکس اسکے ہو۔ سبکو شامل ہے۔ موت کے ہر قسم کو خواہ جرح سے یا بلا جرح ہو۔ پس گو ہم الرسل کو جمع مستغرق ہونیکو مان بھی لیں تو بھی مسیح ع کا مرجانا لازم نہیں آتا کیونکہ خلو اور گزرنا جو ایک عام چیز ہے گو نوع رسول کے ہر ہر فرد کو ثابت ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس امر عام کا ہر ہر قسم بھی نوع رسول کے ہر ہر فرد کو ثابت ہو۔ رہی یہ بات کہ اگر خلو کی تفسیر موت سے نکیجاوے تو اخص کی تفریع اعم پر لازم آویگی "نیز مردود ہے۔ اسواسطیکہ انقلاب کا بعید سمجھنا اور ارتداد کے جواز کا انکار در اصل متفرع ہے۔ مگر آنحضرت صلعم کے قوم کے درمیان بعد ادائے رسالت موجود نہونے کی تقدیر پر" پس ماحصل اس آیت کا یہ ہوا کہ نہیں ہیں آنحضرت صلعم مگر اللہ کے رسول بلاشبہ آپسے پہلے رسول گذرے ہیں۔ پہر کیا جائز ہے تمہارے لئے دین سے پہر جانا۔ اگر وہ منتقل کئے جاویں اسطرح پر کہ آسمان پر اوٹہائے جاویں جیسے کہ مسیح ع (یہ بات بالاجماع ثابت ہے) یا جسطرح ادریس علیہ السلام آسمان پر چڑہائے گئے۔ یا اگر انکا انتقال موت سے ہو چنانچہ یہی انکی نسبت علم ازلی میں مقرر تہا۔

Marfat.com

فی سابق علمنا او بالقتل کما صاح به الشیطان واستقر فی قلوبکم والتصریح بالثانی
موافقة للواقع ومطابقة لتقدیر الله تعالیٰ وذکر الثالث وانلم یطابق الواقع والتقدیر
مراعاة لزعمهم وتوسیعا لنفی جواز الارتداد علی کلا الشقین وانکان هذا الثالث
مزعوما محضا وجهلا مرکبا الا انه لما کان قوی الاحتمال وکثر وقوعه بین الانبیاء
السابقین کما دل علیه قوله عز وجل یقتلون النبیین بغیر الحق فکان ذکره ضروریا
وعدم التصریح بالاول وانکان مقصودا مرادا لانتفاء ما یوجب ذکره من الموجبات
المذکورة لظهور عدم توافقه القضاء والواقع ولعدم استقراره فی قلوبهم وشذ وقد
تقدم فظهر ان المتفرع فی الحقیقة هو نفی جواز الارتداد علی تقدیر احد الشقوق
الثلثة المصدرة وذلك الامر الدائر بین الثلاثة مساو للخلو بمعنی المضی فلا یلزم تفریع الاخص
علی الاعم علی تقدیر کون المعنی الحقیقی مرادا من لفظ الخلو بل یلزم تفریع احد المساویین

یا ایکا انتقال شہادت سے ہو چنانچہ اس قسم کی آواز شیطان نے دی تھی[1] اور تمنے اسپر یقین کر لیا تھا۔ ہاں یہ بات ضروری البیان ہے کہ آیت میں موت اور قتل کا صریح ذکر کیا گیا ہے۔ نہ رفع کا۔ سو واضح رہے کہ موت کی تصریح کی وجہ یہ ہے کہ وہی بحقیقت تقدیر الٰہی اور واقع کے مطابق تھی۔ قتل کی تصریح صرف انکے زعم فاسد کی رعایت سے ہے نیز تاکہ وہ دونوں تقدیر پر (موت اور قتل) سمجھ جائیں کہ دین سے پھر جانا ناجائز ہے۔ آپکا مقتول ہونا۔ گو انکا زعم ہی زعم تھا۔ لیکن چونکہ انبیا سابقین بہت سے مقتول ہو چکے تھے (دیکھو خداوند فرماتا ہے۔ کہ انھوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیا ہے) تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حقمیں بھی یہ گمان قوت پکڑ گیا تھا۔ اسواسطے آیت مذکورہ میں قتل کا ذکر کرنا ضروری تھا۔ رہا یہ کہ رفع کا ذکر نہیں ہوا۔ باوجودیکہ عبارت میں مقصود ہے۔ سو واضح ہو کہ اسکی تصریح بچند وجہ ضروری نہیں تھی۔ اولاً کہ آپکا مرفوع ہونا تقدیر اور واقع کے مطابق نہیں تھا۔ دوم کہ اس قسم کا خیال مخالفین کو نہیں تھا۔ سوم آپسے پہلی رفع نادر الوقوع تھا۔ بناءً علیہ ثابت ہوا کہ ہر تینوں تقدیروں پر یعنی موت۔ قتل۔ رفع؟ جواز الارتداد کا انکار ہی متفرع ہے لاغیر۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ انتقال جو تینوں میں دائر ہے خلو کے ساتھ (جب اسکا حقیقی معنی گزرنا ہو) مساوی ہے اسلئے اب اتحالہ لازم نہیں آیا۔ وجہ یہ ہے کہ اس صورتمیں ایک مساوی کی دوسرے مساوی پر تفریع ہوگی۔ اور یہ جائز ہے۔ نہ اخص کی تفریع

---

[1] ایک جنگ میں شیطان نے آواز دی تھی کہ "ان محمداً قد قتل"، حضرت مصنف علام نے اسیطرف اشارہ فرما دیا ہے ۱۲ مترجم

على الآخر وذا جائز كما يقال رأيت زيدًا انه جسم نام حساس متحرك بالارادة مدرك للكلي والجزئي فيفرع على هذا المفصل انه انسان ولا ارتياب في تساوي هذا المجمل وذلك المفصل وفي صحة تفريع احدهما على الآخر والامران اللذان حكمنا بمساواتهما وكون احدهما متفرعًا والآخر متفرعًا عليه هو ثبوت خلو كل رسول ونفي جواز الارتداد على تقدير تحقق واحد من الشقوق فان النسب انما تقتضي المفهومين مطلقا اعم من ان يكونا وجوديين او سلبيين او يكون احدهما وجوديا والآخر سلبيًا ولا يلزم توافقهما في الثبوت او العدم والدليل على لزوم ذلك النفي للخلو ان المقصود من البعثة وارسال الرسل التشريع مطلقا وتعيين الطريقة الموصلة الى الله تعالى لا التشريع الى زمان وجود الرسول بين اظهر قومه ولم يخل زمان من الرسل وذا باطل باتفاق من اهل الملل فوضح بطلان زعم لزوم استحالة تفريع الاخص على الاعم على فرض ارادة المضي من الخلو واما استدلال الصديق الاكبر على موت سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم

عام پر جو نا جائز ہے۔ دیکھو کہتے ہیں کہ ہمنے زید کو نشو ونما پانے والا بالارادہ حرکت کرنے والا کلیات وجزئیات کا ادراک کرنے والا جسم پایا ہے۔ پس اسپر تفریعًا کہہ سکتے ہیں۔ کہ وہ انسان ہے کیونکہ وہ مفصل اور یہ مجمل (انسان) آپسمیں مساوی ہیں جنمیں سے ہمنے ایک متفرع اور دوسرے کو متفرع علیہ کہا ہے وہ یہ دو ہیں "ہر رسول کا گذرنا۔ ہر ایک تقدیر پر جواز الارتداد کی نفی ہا" سبب یہ ہے کہ نسبتوں کے لئے دو چیزونکا ہونا ضروری ہے۔ خواہ وہ دونوں وجودی یا دونوں عدمی یا ایک وجودی اور دوسرا عدمی ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ دونو عدمی یا دونوں وجودی ہوں لیکن باقیماندہ کہ ارتداد کی نفی خلو بمعنے گذرنے کو کسطرح پر لازم ہے تو اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ جلشانہ نے پیغمبرونکو صرف اسواسطے مبعوث فرمایا ہے۔ کہ تا مطلقا شریعت کو بیان کریں اور طریقہ کو جو اللہ تک پہونچانے والا ہے معین کر دیویں اسواسطے مبعوث نہیں فرمایا کہ وہ اسی زمانہ تک شریعت کو ظاہر کریں کہ جبتک کہ وہ قوم کے درمیان موجود رہیں ورنہ لازم آویگا کہ کوئی زمانہ بھی رسول سے خالی نہو۔ حالانکہ یہ پھر گیا۔ اور بالاتفاق باطل ہے۔

اس سے واضح ہوگیا ہے کہ اخص کی تفریع عام پر (گو خلو سے گذرنا ہی مراد ہو) لازم نہیں آتی۔ ہاں یہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر

بهذه الآیة فلیس موضع استشهاده رضی الله تعالیٰ عنه فی هذه الآیة کلمة خلت بل قوله تعالیٰ افائن مات لما انکر الفاروق العادل رضی الله تعالیٰ عنه موته صلی الله علیه وسلم وقال ما مات رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا یموت وکان ذلک جزما منه بامتناع موته صلی الله علیه وسلم فرد الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه ذلک الامتناع بقوله تعالیٰ افائن مات فان مدخول ان بحسب اصل الوضع لا یکون الا من الامور التی یجوز تقررها ویمکن وجودها لا من الامور التی تابی عن التکون والتقرر وهذا واضح علی من طالع بحث معانی الحروف فاذا ثبت جواز تقرر الموت علیه صلی الله علیه وسلم ارتفع الامتناع الذی هو نقیضه ویدل علی کون موضع استشهاد سیدنا الصدیق رضی الله تعالیٰ عنه قوله تعالیٰ افائن مات لا کلمة خلت قرائته رضی الله تعالیٰ عنه حین الاستدلال قول الله عز وجل انک میت وانهم میتون. وتقریر آخر استدلالهم بمنع المقدمة القائلة ان کل جمع عرف باللام فهو مستغرق للافراد کلها بان یقال ان هذه المقدمة ممنوعة کیف لا وقد صرح المحققون

آیت مذکورہ کو دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے" انھوں نے تو لفظ خلت (گذرے اور گئے) سے[۱] مدعا ثابت نہیں کیا بلکہ اَفَائِن مَّاتَ (کیا پس اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرجائیں) سے استدلال فرمایا ہے سبب یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بعد موت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمایا تھا کہ آپ نہیں مرے اور نہ مریں گے اور یہ اس خیال سے فرمایا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موت جائز نہیں ہے اور غیر ممکن ہے اسواسطے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے آپکے اس خیال کے اوٹھانیکے لئے اس آیت کو پڑھکر اَفَائِن مَّاتَ سے استدلال فرمایا۔ وہ اسطرح پر ہے کہ در اصل مدخول اِن کا وہ ہوتا ہے کہ جسکا پایا جانا واقع میں ممکن اور جائز ہو لا غیر۔ چنانچہ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو بحث معانی حروف پر آگاہ ہیں۔ پس جبکہ رسول کریم صلعم کیواسطے موت کا ہونا ممکن اور جائز ہوا تو حضرت فاروق اعظم کا خیال جو اسکے ناممکن ہونے پر جما ہوا تھا۔ بالکل اُٹھ گیا۔ یہ بات کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اَفَائِن مَّاتَ سے استدلال فرمایا ہے اس سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ اسموقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت بھی پڑھی تھی جسکا مضمون یہ ہے کہ اے رسول اکرم تم اور وہ موت کا مزہ چکھنے والے ہیں"۔ الخ یہ قول کہ ہر جمع جو معرف باللام ہو وہ تمام افراد کو شامل ہوتا ہے۔ مسلم نہیں ہے۔ چنانچہ یہی محققین کی کتابوں میں مصرح ہے۔

[۱] حضرت مصنف علام مدظلہم کی تقریر یہی ہے۔ اسلئے بھی کہ اگر خلت سے صدیق اکبر رض استدلال فرماتے تو لازم آتا کہ دعویٰ خاص اور دلیل عام ہو۔ حالانکہ یہ باطل ہے عام اسواسطے کہ خلو کا معنے لغۃً وہ ہی جو موت اور غیر موت کو شامل ہے ۱۲ مترجم

بذلك فی اسفارہم الا تری الی قولہ عز وجل واذ قالت الملئکۃ یا مریم ان اللہ یبشرك
الآیۃ والی قولہ تبارك وتعالیٰ واذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ اصطفٰك الآیۃ فقد ذکرت
صیغۃ الملائکۃ وھی جمع معرف باللام ولم یرد الاستغراق وقال تعالیٰ فسجد الملائکۃ کلھم
اجمعون فلو کان کل جمع محلی باللام مستغرقا لکان ذکر کلھم مستدرکا ولو اردنا ان
نجمع الامثلۃ المثبتۃ لنقیض المقدمۃ الممنوعۃ لجمعنا دفاتر کبیرۃ ولکن العاقل الحازم یکفیہ
ما ذکرنا من البیان والجاھل الھائم النائم لا یستیقظ بضرب السنان ومنع تلك المقدمۃ
یؤدی الی منع الکبری الکلیۃ من مقدمتی القیاس الفاسد الکاسد للکادیانی فلانتفاء شرط
الانتاج لا ینتج ذلك القیاس قولہ ان المسیح مات واما قولنا ان استحالۃ عدم صحۃ
التفریع علی منع الاستغراق غیر وارد فی الحقیقۃ لان المراد من قولہ تعالیٰ وما محمد الا
رسول قد خلت من قبلہ الرسل ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم لیس الا بشرا رسولا

اسکی تائید قرآن حمید میں ہے۔" ان آیات کا ماحصل یہ ہے کہ کہا فرشتوں نے مریم رضی سے کہ اے مریم خداوند تعالےٰ
بلاشبہ تمکو خوشخبری دیتا ہے۔ مریم سے فرشتوں نے کہا کہ اے مریم خداوند تعالےٰ نے تجھکو برگزیدہ کیا ہے۔
اب دیکھو کہ ان آیات میں ملائکہ کا لفظ جمع اور معرف ہے معہذا تمام فرشتے مراد نہیں ہیں۔ ہمارے مدعا کو یوں بھی
تائید ملتی ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا" اسمیں بھی لفظ الملئکۃ سے تمام
فرشتے مراد نہیں لئے گئے۔ بلکہ یہ فائدہ لفظ کل اور اجمعون نے دیا ہے۔ ورنہ یہ لفظ بے فائدہ ٹھریں گے العیاذ باللہ
ایسا ہی بہت قرآنی مثالیں ہیں کہ جن سے مخالف کے برخلاف جمع معرف باللام استعمال کیا گیا ہے لیکن
چونکہ ان سب کا ذکر کرنا طول کا باعث ہے۔ اسی پر اکتفا کیا۔ نیز عاقل کو اتنا ہی کافی ہے جو ہمنے ذکر کیا ہے
جب یہ مقدمہ غیر مسلّم ہوا تو شکل مذکور کے کبریٰ کی کلیت بھی غیر مسلم ٹہری۔ پس یہ نتیجہ کہ مسیح علیہ السلام مر گئے"
اس سے حاصل نہیں ہوگا۔ اسلئے کہ شکل اول میں کبریٰ کی کلیت شرط ہے اور کلیت تو جاتی رہی۔ لہذا نتیجہ جو مشروط
ہے وہ بھی جاتا رہا۔ ایسے ہی یہ جو ہمنے کہا۔ کہ اگر الف لام استغراقی نہ لیا جاوے تو در اصل تفریع کا ناجائز ہونا
لازم نہیں آویگا سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جس آیت کا یہ مضمون ہے کہ نہیں ہیں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر خداوند تعالےٰ
کے رسول بلاشبہ آپسے پہلے گزرے اور گئے۔ اس سے یہ مراد ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
صرف خدا کے مقرب بندے اور سچے رسول ہیں۔

وجنس الرسل قد خلا ومن المعلوم ان ما وقع وثبت لبعض افراد الجنس بالنظر الی ذاته
وماهیته یمکن ان یثبت لسائر افراده فالثابت للبعض بالنظر الی ماهیته کما یستلزم
امکان الثبوت لذلک البعض یستلزم امکانه لباقی الافراد فهذه المهملة اعنی قد خلت
من قبله الرسل وان کانت بالنظر الی الفعل والاطلاق بمنزلة الجزئیة غیر صالحة لکبرویة
الشکل الاول الا انها بما تستلزم من الممکنة الکلیة صالحة لها فغایة ما ینتج القیاس
علی هذا ان المسیح میت بالامکان بان یقال المسیح رسول وجنس الرسل قد خلا
بالفعل والاطلاق وقد عرفت انه یلزمه قولنا کل رسول خال ومیت بالامکان فهذا القول اللازم
یجعل کبری منضمة الی الصغری فینتج النتیجة المذکورة فصح التفریع ولم یلزم الاستحالة العقلیة
ولا المحذور الشرعی من ثبوت موته علیه السلام فی الزمان الماضی لکونه مخالفاً لظاهر
القرآن والاحادیث واجماع الامة وهذا مع منع کون لفظ الرسل جمعاً مستغرقاً فاذا لم یثبت
مطلوب الکیدین علی تقدیر منع احدی المقدمتین فقط فعدم ثبوت مطلوبهم علی تقدیر منعهما معاً

اسمیں شک نہیں ہے کہ پیغمبروں کی جنس گذری اور گئی ہے۔ ظاہر ہے جو چیز (مثلاً موت) جنس کے بعض
افراد کو باعتبار ذات کے ثابت ہو۔ اسکا باقی افراد کو بھی ثابت ہونا جائز ہے۔ پس جیسا کہ اس چیز کا ثبوت بعض افراد
کے لئے ملزوم الامکان ہے ویسے ہی باقی افراد کے لئے۔ واقع میں یہ مہملہ اگرچہ بمنزلہ جزئیہ ہے۔ اسلئے شکل اول کا
کبریٰ نہیں بن سکتا (کیونکہ اسمیں کبریٰ کی کلیت شرط ہے) لیکن اس مہملہ کو ممکنہ کلیہ لازم ہے۔ اسوجہ سے وہ کبریٰ بن سکتا ہے۔
جیساکہ کہدیں کہ مسیح ع رسول ہے اور بلاشبہ جنس رسول بالفعل گزرا اور گیا۔ پھر ممکنہ کلیہ کو جو اس مہملہ کو لازم ہے کبریٰ
بنائینگے۔ پس شکل اول حاصل ہوگی۔ دیکھو مسیح ع رسول ہے۔ ہر رسول بالامکان میت ہے۔ اسلئے یہ شکل یہ نتیجہ دیگی
کہ مسیح ع بالامکان میت ہے۔ پس اس صورت میں ایک تو تفریع درست ہوئی۔ اور نہ کوئی محال عقلی اور شرعی
عائد ہوا (یعنے مسیح علیہ السلام کا مرنا جو قرآن واحادیث واجماع سے مخالف ہے) اب دیکھیے کہ صرف ایک ہی مقدمہ کے
تسلیم نکرنے کی حالت میں یہ کیفیت ہوئی تو پھر جس حالت میں دونوں مقدموں کو تسلیم نکرینگے تو کادیانی کے مدعا کا
کہاں ٹھکانا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کو کچھ بھی سمجھ ہے وہ بھی اِس بات کو جانتے ہیں ہاں یہ بھی یاد رہے کہ

لہ مہملہ وہ ہے کہ جسمیں افراد کی مقدار بیان نہ کیگئی ہو یعنے اس قضیہ میں نہ یہ ہوگا کہ یہ حکم تمام افراد پر ہے اور نہ یوں ہوگا کہ
یہ حکم بعض افراد پر ہے چونکہ قد خلت من قبلہ میں بھی نہ تو تمام افراد رسول اور نہ بعض افراد رسول کو حکم لگایا گیا ہے تو حضرت
استاد مصنف علام مدظلہم نے اسکو قضیہ مہملہ فرمایا ۱۲ مترجم

اجلى واولى وهذا ظاهر لمن له ادنى دراية وما قلنا من اشتراك ورود عدم صحة التفريع ظاهرا على تقدير
تسليم المقدمتين ايضا كما على منعهما فلان صيغة الرسل وان سلمت انها مستغرقة وسلم ان الخلو
بمعنى الموت لا تستغرق نبينا محمدا صلى الله عليه وسلم لان الكلام وقع فى خلو الرسل قبله عليه وعليهم
السلام ومن الضروريات ان خلوهم قبله معناه انهم سابقون عليه فى وصف الخلو وهو لاحق بهم فى
ذلك الوصف وهذا السبق واللحوق زمانيان اللذان لا يجتمع فيهما القبل البعد ولا البعد
القبل فحين كون الرسل واجدين لوصف الخلو كان نبينا صلى الله عليه وسلم فاقدا له اذ لو كان
مثلهم فى ذلك الحين للزم فى قوله تعالى قد خلت من قبله الرسل الاخبار بقبلية الشئ على
نفسه ومع فقدانه عليه السلام ذلك الوصف وتحلى سائر الرسل به كان مستعدا له
يمكن له ان يخلو كما خلوا فاذا ثبت كونه عليه السلام فاقدا لوصف الخلو حين خلت الرسل
فلم يندرج فى تلك الرسل الخالية حين فقدان ذلك الوصف ويلزم على عدم اندراجه

ہم پہلے یہ بھی بیان کر آئے ہیں کہ اگر دونوں مقدموں کو (الف لام کا استغراقی ہونا اور خلو کا بمعنے موت ہونا) مان بھی
لیں تو پس ظاہراً تفریع کی عدم صحت کا الزام نہیں جاتا۔ جیسا کہ دونوں مقدموں کے تسلیم نہ کرنیکی تقدیر پر نہیں جاتا
سو اسلئے کہا جاتا ہے کہ الرسل کا لفظ گو ہم اسکو جمع مستغرق اور خلو کو بمعنے موت ہی لیں۔ ہمارے سردار حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس کلام ربانی (قد خلت من قبلہ) میں آپ سے پہلے رسولوں کا خلو
بیان کیا گیا ہے۔ اور بدیہی ہے کہ انکا خلو آپ سے پہلے ہونیکے یہی معنے ہے کہ وہ آپ پر وصف خلو میں سبقت
لیگئے ہیں۔ آپ انسے اس وصف میں متاخر ہیں۔ ظاہر تر ہو کہ انکی پیشدستی اور آپکا تاخر یہ دونوں زمانی ہیں۔
ہمیں متقدم متاخر کے ساتھ موصوف ہوتے تھے۔ پس لازم ہوا کہ جس زمانہ میں اور رسول علیہم السلام وصف خلو کے
ساتھ موصوف ہوتے تھے اسوقت میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اس وصف کے ساتھ موصوف نہیں تھے۔
وجہ یہ ہے کہ اگر ہم مان لیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ان پیغمبروں کے ساتھ ہی ساتھ خلو سے موصوف
ہو چکے تھے تو بریں تقدیر لازم آویگا کہ آیت میں ایک چیز کے اپنے آپ پر مقدم ہونے کی خبر دیگئی ہو۔ حالانکہ
نادان تک اسکے بطلان کو جانتے ہیں۔ البتہ جب یہ اعتقاد کرلیں کہ جس زمانہ میں اور پیغمبروں کو خلو عارض
ہو گیا تھا تو تب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ وصف لاحق نہیں تھا تو بلاشبہ کہہ سکتے ہیں
کہ آپ کے لئے خلو اور گزرنا ممکن تھا۔ جیسا کہ اور انبیاء گزرے اور گئے۔ بنابراں کہہ سکتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا

صلی اللہ علیہ وسلم بالنظر الی ذلک الوصف فیہم عدم صحۃ التفریع بحسب الظاہر لانہ
اذا ... ین منذ رجا فی جملتھم فکیف یتعدی الحکم منہم الیہ فان التعدی فرع الاندراج
وعدم المتفرع علیہ یوجب عدم المتفرع فلم یجدہم تخصیص الخلو بالموت ولا ادعاء
الاستغراق وکیف والتمسک بالحشیش لا ینفع الغریق فما یجیبون بہ عما ورد علیہم
نجیب بمثلہ مع فضلنا علیہم بما اجبنا ولا یمکن لہم التشبث بجوابنا لدلالتہ علی ما یہم
مدعاہم ونقیض مناہم فان امکان شئ کما یقارن ثبوتہ یقارن عدمہ وثبوت الاعم من
المطلوب غیر نافع للمعلل وان نفع المانع السائل واختفاء ہذہ القاعدۃ علیہم من کمال
جہلہم ونہایۃ حمقہم مع کونہا فی غایۃ الانکشاف وغایۃ الظہور من لم یجعل اللہ لہ نورا

کہ رسول کریم صلعم اس زمانہ میں کہ دوسرے انبیاء ہمیں وصف خلو سے موصوف ہو گئے تھے۔ خلو کے ساتھ
موصوف نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر یہ ضرور تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ آپ رسل ماضیہ میں (اس سبب سے کہ وہ اس وصف سے
خالی تھے) داخل نہیں ہوئے۔ پس جس حالت میں یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم انبیاء سابقین میں
داخل نہیں تو ظاہراً تفریع کی عدم صحت کا پھر بھی اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم
توانمیں داخل ہی نہیں ہوئے ہیں پھر کیونکر خلو کا حکم جو ان پر لگایا گیا ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کیطرف منتقل ہوگا آخر یہ تو صریح الفہم بات ہے کہ انتقال موقوف اور داخل ہونا موقوف علیہ ہے۔
پس جہاں پر موقوف علیہ ہی نہیں پایا گیا ہو موقوف کیسے پایا جاوے گا۔ لہذا کادیانیوں کو خلو کا صرف
موت ہی میں مستعمل سمجھنا۔ الرسل کو جمع مستغرق ٹھہرالینا بالکل نافع نہیں ہے۔ کیا غریق کو گھاس کو چنگل
مارنا کچھ فائدہ دیتا ہی نہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ جو کادیانی اس الزام کے دفعیہ میں پیش کریں گے وہی
ہماری طرف سے بھی حاضر ہے مگر مع ہذا ہمارا ہی پلہ بھاری ہے کیونکہ ہم تو ماسوا اسکے بھی جواب دے چکے ہیں۔
چنانچہ ماسبق سے ظاہر ہے شاید کادیانی ہمارے ہی جواب کو اپنی طرف سے بھی جواب سمجھ بیٹھیں۔ لیکن یہ تو انکے
لئے نافع نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ ہمارا جواب ایسی چیز پر دلالت کرتا ہے جو کادیانیوں کے مدعا اور نقیض کو
شامل ہے کیا دیکھتے نہیں کہ کسی چیز کا امکان جیسا کہ اس چیز کے وجود کو مقارن ہے ویسے ہی اس کے
عدم کو مقارن ہے۔ پر بدیہی ہے کہ مدعا اور غیر مدعا کو جو ثابت ہو اسکا پایا جانا گو مانع اور تسلیم نکرنیوالے
سائل کو نافع ہو۔ مگر دلیل پیش کرنیوالے کو ہرگز نافع نہیں ہے۔ یہ قاعدہ بالکل مسلمات سے اور ظاہر ہے گو کادیانیوں پر

فما لہ من نور علی انہ لو دل قولہ تعالیٰ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل
علی موت ما عدا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم من الرسل جمیعہم لدل قولہ تعالیٰ ما المسیح
بن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل علی موت ما عدا نبی اللہ عیسیٰ علیہ السلام من
الرسل جمیعہم وبندرج فی ذلک العام المحکوم علیہم بالموت نبینا صلی اللہ علیہ وسلم و
ھذا محال فان نزولہ لم یکن الا فی حیاتہ وھذا المحال لم ینشأ الا من تسلیم استغراق
الرسل فی الآیۃ الاولی فیکون محالا لان ما یلزم منہ المحال محال البتۃ فاذا لم یثبت اندراج
المسیح علیہ السلام تحت الاکبر الموقوف علی تسلیم الاستغراق المستلزم للمحذور والمحال
الشرعی لم تصدق النتیجۃ فی استدلالہم العاطل اللاطائل والآیۃ الثانیۃ تدل دلالۃ
صریحۃ علی حیوۃ المسیح بن مریم حین نزولہا اذ لو کان من المتیتین فی ذلک الحین لقال تعالیٰ

انکی کم علمی سے پوشیدہ ہو۔ اس سے علاوہ اور لیجئے کہ اگر مان لیں کہ وہ آیت جس کا مفاد یہ ہے کہ "نہیں ہے حضرت صلعم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ آپسے پہلے پیغمبر گذرے اور گئے" اسپر دلالت کرتی ہے کہ آپکے ماسوا جتنے رسول تھے وہ سب مرگئے ہیں تو اس صورت میں وہ آیت جسکا معنے یہ ہے کہ "نہیں مسیح ابن مریم مگر خداوند تعالےٰ کا رسول بلاشبہ انسے پہلے پیغمبر گذرے" چاہئے کہ اسپر دلالت کرے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا جتنے رسول ہیں سب مرگئے ہیں" حالانکہ یہ غلط ہے اسواسطےکہ مسیح علیہ السلام کے ماسوا رسولوں میں ہمارے سردار مفخر موجودات علیہ الصلوۃ والتسلیمات بھی داخل ہیں تو اس سے لازم آویگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس آیت کے اترنے سے پہلے مرگئے ہوں اور یہہ صریح جھوٹ ہے اسلئے کہ یہ آیت آپکی حیات میں نازل ہوئی ہے۔ لہذا الف لام کا استغراقی لے لینا ہی محال ہوا وجہ یہہ ہے کہ جسکے مان لینے سے کوئی محال لازم آوے اسکا ماننا ہی محال ہوتا ہے اسواسطے یہ نتیجہ کہ "مسیح مرگئے ہیں" صادق نہیں ہے اجی اسکا صدق اسصورت میں تھا کہ اگر مسیح اکبر میں مندرج ہوتے لیکن وہ تو مندرج نہیں ہیں سبب یہہ ہے کہ انکا اندراج الف لام کے استغراقی ہونے پر موقوف ہے اور وہ خود ہی باطل ہے۔ پس نتیجہ مذکورہ بھی کاذب ہوا۔ نیز دوسری آیت (جسکا معنے ابھی بیان کیا گیا ہے) صریح مسیح کے (آیتکے نازل ہونیکے وقت) زندہ ہونے پر دلالت کرتی ہے دیکھو اگر مسیح اس آیتکے نازل ہونے کے وقت اموات میں داخل ہوتے تو خداوند تعالےٰ کا یوں فرمانا چاہئے تھا کہ

Marfat.com

ما المسیح بن مریم الا رسول قد خلا مع الرسل او قال تعالیٰ قد خلا وقد خلت الرسل
او قال عز وجل قد خلا کما خلت الرسل او اکتفیٰ بقوله قد خلت الرسل ولم یقل وقد خلت
من قبله الرسل وهٰذا بناء علی انحصار الجمع المعرف باللام فی الاحاطة والشمول
کما زعم الکائد ومقلدوه المکیدون فالتقیید بقوله من قبله صریح فیما قلنا ودلالة
هٰذه الآیة علیٰ حیٰوة المسیح لا تتوقف علی استغراق الرسل لیلزم ذلک المحذور
من ثبوت الموت للنبی صلی الله علیه وسلم حین نزول تلک الآیة بل یکفی فیها کون
الرسل جنساً فیقال فی توجیهها ان جنس الرسل وان کان تحقق فی الموارد الخاصة
قد خلا من قبل المسیح والمسیح وان لم یخل الی الآن فسیخلو کما خلت الرسل جنسهم
فیکون مفادها ان الموت له علیٰ نبینا وعلیه الصلوٰة والسلام لم یوجد الی الآن
ولکنه سیموت کما ان مفاد الآیة الاولیٰ نفی موت نبینا صلی الله علیه وسلم فیما مضیٰ و
ترقبه له فیما یأتی ومتی دلت هٰذه علیٰ حیٰوة المسیح علیه السلام فلو دلت تلک علیٰ مقتـ

نہیں ہیں مسیحؑ مگر خدا کے رسول۔ بلاشبہ رسولوں کے ساتھ ہی مر گئے ہیں یا بلاشبہ مسیحؑ مر گیا
درحالیکہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ مسیح علیہ السلام مر گئے۔ جیسے کہ اور رسول مر گئے۔ یا بلاشبہ
رسول مر گئے۔ اور نہ فرماتا۔ بلاشبہ مسیح سے پہلے رسول مر گئے"۔ مگر یہ سب کچھ اس تقدیر پر ہے کہ
جب الرسل کو جمع مستغرق مراد رکھ لیں گے جیساکہ کادیانی اور اسکے مقتدی کا گمان فاسد ہے۔
پس خلو کو مِن قبلہ (آپ سے پہلے) سے مقید کر دینا اسی لئے ہے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ رہی یہ بات
کہ یہ آیت مسیحؑ کی حیات پر تب ہی دلالت کریگی جبکہ الف لام استغراقی لیں۔ اس سے مسیحؑ کیموت
آیت کے نازل ہونے کیوقت میں لازم آویگی" سو یہ غلط ہے کیونکہ لفظ الرسل سے جنس رسول مراد ہے۔
اسواسطے اسکی توجیہ یوں ہوگی کہ "جنس رسول کسی زمانہ میں اس کا وجود ہو۔ گو مسیح علیہ السلام ابتک نہیں مرے"
مسیحؑ سے پیشتر مر گیا ہے۔ لیکن مسیح علیہ السلام بھی اس جنس کیطرح مریں گے۔ بناءً علیہ اس آیت کا حاصل
یہ ہوگا کہ مسیحؑ اگرچہ ابتک نہیں مرے ہیں مگر آخر مریں گے۔ یہ ایسا ہوا جیساکہ پہلی آیت سے ہمارے
سید صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی زمانہ ماضی میں نفی اور آئندہ انتظار ثابت ہوا تھا۔ اب اگر باوجود اسکے
کہ اِس آیت نے مسیحؑ کی حیات پر دلالت کی ہے۔ اِس آیت سے انکی موت سمجھ لیں گے۔ تو یہ

كما تخيل وتخيلوا للزم الاختلاف بين هذين القولين جل قائلهما والقول بوقوع الاختلاف فى القرآن حكم بوقوع ما حكم الله بامتناعه وهذا كفر قال الله عز وجل ومن لم يحكم بما انزل الله فأولٓئك هم الكٰفرون والدال على امتناع الاختلاف فى القرآن قوله تعالىٰ ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً فبطلت ارادة استغراق الرسل وعمومه والدليل على ان الحيٰوة والموت مختلفان ان الموت ان فسر بعدم الحس والحركة عما من شانه كلاهما فيقابل الحيٰوة بتقابل العدم والملكة وان بانحياز الروح عن البدن وهو الحق الثابت بالنصوص الشرعيه والفصوص العقلية فبينهما تضاد وكل منهما اختلاف فاستقر على عرش التحقيق ما قلنا من حيٰوة المسيح عليه السلام فى الازمنة الماضية وموته فيما يأتى وهذا ما ذهب اليه الاسلاميون باجمعهم بخلاف النصارىٰ القائلين بوقوع موته ثُمّ احيائه ورفعه بجسده وبخلاف من هم اسوء حالاً واشر مآلاً وهم الكائد الكاديانى والمكيدون القائلون بوقوع موته وبعدم رفعه الجسدى ثم استدل الكائد الكاديانى

بداہتہ قرآن میں تخالف اور تعارض پایا جاوے گا۔ حالانکہ ایسے امر کا قائل کافر ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ الرسل کا الف لام استغراقی نہیں ہے۔ شاید اس موقعہ پر کوئی شخص یہ کہدے کہ چونکہ موت اور حیات آپسمیں مخالفت نہیں رکھتی ہیں تو اگر ایک آیت سے زندگی۔ دوسری آیت سے موت مراد رکھ لیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ سو واضح رہے کہ یہ بات مضحکہ بلہ وصبیان ہے سبب یہ ہے۔ کہ اگر موت کا معنے اس چیز کا حساس ہونا کہ اسکی شان سے حساس ہونا ہے" مقصود ہے تو موت وحیات میں بطور تقابل عدم وملکہ کے تخالف ہوگا۔ اگر موت کا معنے بدن سے روح کا جُدا ہونا ہے" چنانچہ یہی نصوص شرعیہ عقلیہ سے ثابت ہے۔ پس موت وحیات میں تضاد ہوگا اور ہر صورت دو تو نمیں مخالفت پائیجاویگی۔ لہٰذا مسیح علیہ السلام کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا اور آیندہ میں انکی موت کا وقوع ہونا ثابت ہوا۔ اور یہی تمام معتبر اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ البتہ نصارٰی اور کادیانی اس رائے میں متخالف ہیں۔ نصارٰی تو کہتے ہیں کہ مسیح مرکر زندہ ہوا اور آسمان پر چڑھا۔ کادیانی کہتے ہیں کہ مسیح مر گئے اور آسمان پر بجسدہ نہیں چڑھائے گئے" پھر کادیانی مسیح ع کے مرجانے پر اور آیت کو پیش کرتے ہیں اسکا مضمون یہ ہے کہ

Marfat.com

علی مطلوبہ بقولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً لا یأکلون الطعام وما کانوا خالدین وتھذیب استدلالہ انہ لوکان المسیح علیہ السلام حیاً فی السماء لزم کونہ جسداً لا یأکل الطعام وکونہ خالداً وقد نفی اللہ تعالیٰ ذلک فان مفاد الآیۃ سلب کلی ای لاشیٔ من الرسل بجسد لا یأکل ولا احد منہم بخالد ومن المقرر ان تحقق الحکم الشخصی مناقض للسلب الکلی والدلیل علی کون المفاد سلباً کلیاً قولہ تبارک وتعالیٰ وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد افائن مت فہم الخالدون فانہ صریح فی السلب الکلی فاذا ثبت الرفع والسلب کلیاً بالنص ارتفع الحکم الشخصی المستلزم للایجاب الجزئی المناقض لذلک السلب المدلول بالنص فان احد المتناقضین لا یجامع النقیض الآخر کما لا یرتفع معہ وھذا بدیہی اقول بتوفیق اللہ وحسن توفیقہ ان فی قولہ تعالیٰ وما جعلناہم جسداً الخ انما ورد النفی علی الجعل المؤلف المتخلل بین المفعولین ومفعولہ الثانی المجعول الیہ ھو قولہ جسداً لا یأکلون الخ فمدخول

کہ "نہیں بنایا ہمنے پیغمبروں کو بدنوں کو کہ وہ کہانے پینے کیطرف محتاج نہوں اور نہ ہمیشہ رہنے والے"۔ لیکن ہم پہلے اسکو استدلال کی اصلاح کرینگے اور پہر جواب دینگے۔ کادیانی کا استدلال "کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ بھی مان لئے جاویں تو بالضرور کہنا پڑیگا کہ وہ ایسے بنائے گئے ہیں کہ وہ طعام کیطرف محتاج نہیں ہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والے ہیں حالانکہ خداوند تعالیٰ نے آیت میں ان دونوں باتوں کی برخلاف ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ ماحصل آیت کا یہہ کہ نہیں کوئی ایک جسد رسولوں کے اجساد میں سے کہ وہ طعام کا محتاج نہو۔ نہیں کوئی ایک بھی انمیں سے کہ ہمیشہ زندہ رہے۔ ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کا ابتک زندہ ہونا جو گویا خلود سے عبارت ہے۔ الخ حقمیں کہنا کہ وہ وہاں پر کہانے پینے سے فارغ ہیں" یہہ ایک ایسا حکم ہے کہ صراحۃً اس سالبہ کلیہ (نہیں کوئی جسد الخ) سے مخالف ہے۔ اس سلب کلی پر یہہ دلیل ہے کہ خداوند تعالیٰ ایک آیت میں فرماتا ہے کہ یا رسول اللہ ہمنے آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مرجائینگے تو وہ (کافر) ہمیشہ زندہ رہینگے۔ پس اس آیت سے صاف سلب کلی ثابت ہوا" اس سے بھی لازم آیا ہے کہ یہہ موجبہ جزئیہ (کہ بعض آدمی جیسے کہ مسیح فلانے وقت سے ابتک یا فلان وقت زندہ ہے) باطل ہو۔ سبب یہ کہ یہ اس سالبہ کلیہ کی نقیض ہے۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک شے متحقق ہو تو اسکی نقیض کاذب اور غیر متحقق ہو ورنہ اجتماع النقیض لازم آویگا حالانکہ یہ باطل ہے جیسا کہ دونوں نقیضوں کا متحقق نہونا باطل ہے الجواب کہ آیت مذکورہ میں جو حرف نفی (ما) کا وارد ہے

النفی هو الجعل[له] المقید بهٰذه القیود وظاهر ان المقید ولو بالف قید لا یتصور تحققه
الا بتحقق کل من تلک القیود والقیود التی هٰهنا هی تالیف الجعل وکون المجعول الیه جسدًا
مع تقییده بعدم اکل الطعام فلا بد لتحقق هٰذا المقید من تحقق تلک القیود الثلٰثة بخلاف
الانتفاء فانه متصور بانتفاء جزء ای جزء کان ولا یتوقف علی انتفاء جمیع الاجزاء فینتفی
ذٰلک المدخول للنفی بوقوع غیر الجعل موقعه وبانتفاء تالیفه بان یتعلق الجعل المفرد باحد
المفعولین اما بالاول فقط واما بالثانی فحسب وبرفع خصوص المجعول الیه ووضع امر اٰخر فی
محله وبانتفاء قید عدم الاکل ولو سلم تحقق کل قید ما عداه فرض انتفائه وبانتفاء مجموع القیود
بمعنی انتفاء کل قید وبانتفاء المقید اعنی ذاتا مامع تسلیم القیود باسرها فهٰذه المواد
والمواقع لیست الا بالامکان لا بالفعل والاطلاق الا رفع القید الاخیر فانه واقع بالفعل

وہ تو جعل[له] بسیط پر وارد نہیں ہوا ہے بلکہ جعل مؤلف پر جسکے لوازم سے ہے کہ وہ دو مفعولونکے درمیان پایا جاوے
ایک کا نام مجعول (بنایا گیا) دوسرے کا نام مجعول الیہ (جو کچھ بنایا گیا ہو) ہے دیکھو اس آیت میں انبیا مجعول اور
جسد جو بغیر طعام کے فاسد ہوتا ہے مجعول الیہ ہے۔ پس یہاں پر نفی ایسے جعل اور بنانے پر وارد ہوئی
ہے جو مقید ہے۔ یہ بدیہی ہے کہ مقید گو اسکے ساتھ ہزار قیدیں لگی ہوں تبتک نہیں پایا جاتا جبتک
کہ ہر ایک قید نہ پائی جاوے۔ اب یہاں تو تین قیدیں ہیں۔ ایک جعل کا مرکب ہونا۔ دوم جسد کا مجعول
الیہ ہونا۔ سوم عدم الاکل کی قید۔ لہٰذا یہ جعل جو ان قیود سے مقید ہے جب ہی متحقق ہوگا کہ یہ سب قیود
پائے جاویں البتہ کسی مرکب چیز کا معدوم ہو جانا اسکے تمام اجزا کے نابود ہو جانے پر موقوف نہیں بلکہ
اسمیں اگر ایک جز بھی نابود ہو جاوے تو اس چیز کا عدم پایا گیا۔ اس سے یہ بھی سمجھا ہوگا کہ اگر بجائے
جعل مؤلف کے جو مقید ہے اور ہی چیز فرض کیجائے یا اسکا مرکب ہونا اوڑا دیویں باینطور کہ صرف پہلے مفعول کے
ساتھ یا دوسرے کے ساتھ فقط متعلق ہونا مان لیں یا جسد کے مقام پر اور ہی کوئی مفعول قرار دیں۔ یا
تمام قیود کا تحقق مان لیں مگر عدم الاکل یا تمام قیود یا مطلق شے کا (باوجود مان لینے تمام قیود کے) نابود ہونا

له جعل کے بارے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ بسیط ہے انکا مذہب ہے کہ خداوند تعالےٰ نے اشیاء کی ماہیتوں کو
در اصل بنایا ہے اور وجود تبعیت کے طور پر خود بخود ہی عارض ہوا ہے۔ مثال لوہار تلوار کو بناتا ہے اور تیزی خود بخود موجود
ہو جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ ماہیات کو موجود کر دیتا ہے۔ پس بریں تقدیر
جعل اور بنانے کیلئے دو مفعولونکا ہونا ضروری ہے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ جہاں پر حضرت مصنف علام مدظلہم نے جعل
مؤلف فرمایا ہے وہ ہرگز جعل بسیط نہیں ہے فتدبر ۱۲ مترجم

137273

ومراد بقوله تعالیٰ وما جعلناهم جسدًا وتحقق ما عدا ذلك القيد مسلم بل مثبت
بالبراهين النقلية والعقلية القطعيتين وعدم الاكل الذی هو امر عدمی متصور بوجهين
بعدم اكل شیٔ ما اعم من ان يكون طعامًا او غيره وبعدم اكل الطعام خاصة وان وجد
معه اكل غير الطعام وعدم ذلك الانتفاء الذی اضيف الی الامر العدمی انما يتحقق بتحقق
نقيض ما اضيف اليه الانتفاء فيستلزم انتفاء ذلك العدم الذی هو فی قوة السالبة ثبوت
الاكل الذی هو فی قوة الموجبة المحصلة اذ عموم الاولی من الثانية انما هو بامكان تحققها
بعدم الموضوع وعدم امكان تحققها حين عدمه لضرورة استدعائها وجود الموضوع
ومن البديهيات ان الموضوع فيما نحن فيه موجود وقد تقرر فی مدارك العقلاء التلازم
بين السالبة السالبة وبين الموجبة المحصلة عند وجود الموضوع فلزم من قوله تعالی وَمَا
جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ الذی هو بمنزلة السالبة السالبة تحقق قضية موجبة
محصلة اعنی كل رسول ياكل الطعام فيقال لمن يدعی به علی اثبات موت المسيح بن مريم

فرض کرلیں تو بہر حال مقید بھی معدوم ہوگا۔ لیکن یہ سب مفہومات صرف ممکن ہی ممکن ہیں واقع میں انمیں سے
کوئی بھی متحقق نہیں ہے۔ البتہ انمیں سے عدم الاکل کا منتفی ہونا گو ممکن ہے۔ واقعی بھی ہے۔ ماسوا
اسکے جتنے ہیں انکا واقع میں پایا جانا دلائل عقلیہ و نقلیہ سے ثابت ہے اسلئے انکے عدمات واقعی نہیں
ہیں ٭ جب یہ سُن لیا تو اسکا علم بھی ضروری ہے کہ قید عدم الاکل کا پایا جانا دو طرح پر ہے کہ یا کوئی چیز (خواہ
طعام ہو یا اور کچھ ہو) نہ کھائی جاوے یا خاصکر طعام ہی نہ کھایا جاوے۔ اسمیں شبہ نہیں ہے کہ عدم الاکل
کا نہ پایا جانا تب ہی متحقق ہوگا جبکہ کھانا متحقق ہوگا۔ پس عدم الاکل کے نہ پائے جانے کو
جو سالبہ[1] سالبہ ہے موجبہ محصلہ لازم ہوا اگرچہ یہ ملازمت موضوع کے موجود ہوتے ہی ہوتی ہے
لیکن یہاں تو موضوع (انبیا علیہم السلام) امر واقعی ہے۔ پھر کیا دونوں متحقق نہیں ہونگے ضرور ہونگے
ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ آیت مذکورہ (وَمَا جَعَلْنٰهُمْ) سے جو سالبہ سالبہ ہے قضیہ موجبہ محصلہ لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر
رسول طعام کھاتا ہے۔ اب کادیانی سے مستفسر ہیں کہ اس قضیہ موجبہ میں اکل اور کھانا جو ہر رسول کو ثابت ہے۔ تو

---

[1] کہتے ہیں زید نے طعام نہیں کھایا ہے " یہ سالبہ ہے جب اسپر اور نفی داخل کریں گے تو یوں کہیں گے کہ ایسا
نہیں ہے تو صریح لازم آویگا کہ زید نے طعام کھایا ہے غرضکہ جہاں نفی پر نفی داخل ہو وہ سالبہ سالبہ ہے۔ جہاں
زید کے لئے کھانا ثابت کیا گیا ہو وہ موجبہ محصلہ کہلاویگا ١٢ مترجم

Marfat.com

ان نسبة الاكل لكل رسول فی هذه القضية هل هی بالضرورة بحسب الذات او بحسب الوصف او فی وقت ما او فی وقت معين او بحسب الدوام ذاتا او وصفا او بالاطلاق او بالامكان مع قيد اللادوام فی ماعدا الاول والخامس ومع قيد اللاضرورة فی ماعدا الاول فقط علی رای او فی ماعدا الخامس ايضا كما علی رای اخر وان لم يكن بعض التراكيب منها متعارفا او لا يعتبر قيد اللاضرورة ولا قيد اللادوام الاول والخامس بديهی البطلان لوجود نقيض كل منها وهو امكان عدم الاكل للاول والاطلاق للخامس وكذا الثانی والسادس لعدم مدخلية وصف الرسالة فی ضرورة الاكل او دوامه كما لا مدخل فيهما لمعنون ذلك الوصف وكذا لا تكون ضرورية بحسب الوقت مطلقا لا بحسب وقت ما ولا بحسب وقت معين لان غاية الامر ان يكون الاكل ضروريا بشرط الجوع

یہ انکے لئے انکی ذات کیطرف نظر کرکے ضروری الثبوت ہے یا باعتبار کسی وصف کے یا ضروری الثبوت غیر معین یا معین وقت میں ہے۔ یا یہ کہ وہ ذات کی عتبار سے یا وصف کی جہت سے دائمی الثبوت ہے۔ یا تین زمانوں میں سے کسی زمانہ میں ثابت ہے۔ یا یوں کہو کہ اس کا ثبوت انکے لئے ممکن ہے خواہ مع قید اللادوام جیسا کہ اول اور پانچویں کے ماسوا میں۔ خواہ مع قید اللاضرورۃ جیسا کہ اول کے ماسوا میں بنابر ایک رائے کے یا پانچویں کے ماسوا میں بھی عند البعض یا لاضرورۃ ولا دوام کی قید کہیں بھی تسلیم نکریں۔ بہرحال یہ ظاہر ہے کہ ضروریہ (یعنی ہر رسول کی ذات کو طعام کا کھانا ضرور ثابت ہے) اور دائمہ (یعنی ہر رسول کے لئے اکل الطعام دائما ثابت ہے) باطل ہے کیونکہ ضروریہ مطلقہ کی نقیض جو ممکنہ عامہ ہے متحقق ہے۔ پس لازم ہوا کہ ضروریہ باطل ہو ورنہ اجتماع النقیضین پایا جاویگا اسیطرح پر دائمہ کی نقیض مطلقہ عامہ متحقق ہے۔ چنانچہ کہدیں کہ بعض اوقات میں رسول طعام نہیں کہاتے ہیں۔ اب اس مطلقہ عامہ کو کون باطل کہہ سکتا ہے۔ یہ تو صریح صادق ہے۔ اسلئے دائمہ کاذب ہوا نہیں تو ویسے ہی اجتماع النقیضین لازم اویگا جیسا کہ گزرا۔ ایسا ہی دوسرا اور چھٹا باطل ہے اسو طیکہ وصف رسالت ہرگز ضرورت یا دوام اکل کو نہیں چاہتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اکل الطعام رسول کیواسطے مطلق وقت میں کوئی وقت ہو اور خاص ایک وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ آخر بھی تو کہو گے کہ اکل الطعام بشرطیکہ بھوکھ متحقق ہو ضروری ہے۔

والجوع لما لم یکن واجباً فی وقت ما لم یکن المشروط به ضروریاً فی وقت ما کما صرح
به فی کتب المنطق من ان الکتابة لیست بضروریة فی حین من الاحیان فما ظنك
بالمشروط بها والضرورة بشرط الشئ غیر الضرورة فی وقت ذلك الشئ والاول
لا یستلزم الثانی کما فی تحرك الاصابع بشرط الکتابة فان التحرك بشرطها ضروری
ولیس فی وقتها بضروری فکذلك ضرورة الاکل بشرط الجوع امر وضرورته فی
وقت الجوع امر اخر لا تلازم بینهما فضلاً عن الاتحاد فاذا لم یکن الاکل ضروریاً فی
وقت ما لم تکن القضیة وقتیة مطلقة ولا منتشرة مطلقة فلم تکن وقتیة ولا منتشرة
لاستیجاب انتفاء الاعم انتفاء الاخص وکون الاکل ضروریاً بشرط الجوع لا یقتضی
ان تکون القضیة مشروطة ایضاً اذ المشروطة ما یوجد فیه الضرورة بشرط الوصف
العنوانی لا بشرط ای وصف کان ومن الظاهر ان الوصف العنوانی فی القضیة انما هو

لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ بھوک خود ضروری الوجود نہیں ہے۔ پھر طعام کا کھانا جو اس کا مشروط ہے وہ
کیسے ضروری ہوگا۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جب کہدیں کہ زید کی انگلیاں لکھنے کی حالت میں متحرک ہیں۔
اسمیں لکھنا چونکہ خود کسی وقت میں ضروری الثبوت نہیں ہے۔ تو جسکے لئے یہ شرط ہے وہ بھی کتابت
کیوقت میں ضروری نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کتابت چونکہ کسی وقت ضروری نہیں ہے اور منجملہ اوقات وہ
وقت بھی ہے جسمیں کتابت متحقق ہے۔ پس وہ جب آپ ہی اسوقت میں ضروری نہیں ہے تو انگلیوں کا
ہلنا کتابت کی وقت میں کب ضروری ہوگا۔ ویسے کھانا گو بشرط الجوع (بھوکہ) ضروری ہے مگر بھوکہ کی
وقت میں ضروری نہیں چنانچہ ابھی ہم بیان کر آئے ہیں۔ شاید کہوگے کہ جب یہ مانا گیا کہ طعام کا کھانا
بشرطیکہ بھوکہ لگی ہو ضروری ہے تو یہ قول جسے قضیہ مشروطہ کہتے ہیں صادق آویگا کہ "ہر رسول کے
لئے بشرط الجوع طعام کا کھانا ضروری ہے"۔ حالانکہ تمہارے واسطے مضر ہے۔ سو واضح رہے کہ
مشروطہ ہرگز صادق نہیں آویگا۔ سبب یہ ہے کہ "یہ مشروطہ نہیں بن سکتا۔ کیا معلوم نہیں ہے
کہ مشروطہ میں یہ بات لازمی ہے۔ کہ ضرورت بشرط اُسی عنوان اور وصف کے ہو کہ جس کے
ذریعہ سے موصوف پر حکم لگایا گیا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ قضیہ مذکورہ میں وصف اور عنوان رسول
کا لفظ ہے

وصف الرسالة دون وصف الجوع فلم يبق الا ان يكون بالاطلاق او الامكان مع قيد اللادوام او اللاضرورة او بدونه والاول من كل منهما متعين بدليل قوله تعالى وما ارسلنا قبلك من المرسلين الا انهم ليأكلون الطعام ويمشون في الاسواق فيكون وجودية احد جزئيها ثابت بهذه الآية وثانيهما بما مر من البيان وهي وان كانت مستلزمة لما عداها لكنها لكونها اخص احق بالاعتبار وينحل الى قولنا كل رسول ياكل الطعام بالفعل ولا شئ من الرسول ياكل الطعام بالفعل وهذه القضية لا تناقض ما ذهب اليه الاسلاميون لانه يصدق قولنا المسيح بن مريم آكل للطعام بالفعل وليس بآكل بالفعل وما قررنا قبل من ان الجوع ليس بضروري لان الجوع خلو الباطن

نہ بھوکہ کا۔ پھر کہو کہ صورت مذکورہ میں وہ کیسا مشروطہ بن سکتا ہے۔ بنا بریں ماننا پڑیگا کہ قضیہ مذکورہ مطلقہ[1] یا ممکنہ عامہ ہے خواہ لادوام ولاضرورۃ کی قید لگا دیں یا نہ۔ ہاں مطلقہ اور ممکنہ عامہ اس آیت سے مستفاد ہے جسکا یہ مضمون ہے کہ "یا رسول اکرم آپ سے پہلے جتنے رسول تھے وہ طعام کھاتے۔ بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے"۔ کیونکہ اس آیت کا ماحصل یہی ہے کہ وہ رسول کسی نہ کسی زمانہ میں کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ نہ یہ کہ ہر ہر وقت میں جیسا کہ ہر ہر وقت میں چلتے پھرتے نہیں تھے اور یہی مطلقہ عامہ ہے ایسا ہی طعام کے کھانیکا انکے لئے امکان ثابت ہوا۔ پس جبکہ اس مطلقہ اور ممکنہ کو لادوام کی قید لگا دیں گے۔ تو یہ قضیہ وجودیہ[2] ایسا ہوا۔ کہ اسکی پہلی جزو آیت مذکورہ سے ثابت ہوئی اور دوسری یعنی لادوام کا مفہوم" ہماری سابق تقریر سے پایہ ثبوت تک پہونچی۔ البتہ اس وجودیہ کو بسبب اسکے کہ یہ ایک مقید اور خاص چیز ہے ضروریہ وغیرہ لازم ہے لیکن چونکہ یہ خاص ہے اور خاص زیادہ تر قابل اعتبار ہوتا ہے تو وجودیہ ہی معتبر ٹھہریگا۔ اسواسطے اسکی دو جزو لیکر قضیہ بنائیں گے پھر دیکھینگے کہ وہ اسلامیوں کے عقیدہ سے مخالف ہے یا نہ۔ دیکھو ہر رسول بعض اوقات میں طعام کھاتے ہیں اور کوئی رسول بعض اوقات میں طعام نہیں کھاتا۔ اب غور سے دیکھو کہ یہ قضیہ ہرگز عقیدہ اسلامی سے مخالفت نہیں رکھتا ہے" کیونکہ یہ قضیہ کہ "مسیح بعض اوقات میں طعام کھاتے تھے اور بعض اوقات میں نہیں کھاتے تھے صادق ہے۔ آپ جیسا صاحب

---

[1] مطلقہ عامہ اس قضیہ کو کہتے ہیں کہ جسمیں محکوم علیہ پر محکوم بہ کے ساتھ تین زمانوں میں کسی زمانہ میں حکم لگایا گیا ہو۔ جیسا کہ کہدیں زید کسی زمانہ میں کاتب ہے۔ ممکنہ عامہ وہ ہے جہاں پر جانب مخالف کی ضرورت سلب کر دی گئی ہو۔ چنانچہ کہیں زید بالامکان عالم ہے یعنے زید کا عالم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس قضیہ مذکورہ یوں ہوگا۔ کہ ہر رسول کے لئے طعام کا کھانا جائز ہے نہ کھانا ضروری نہیں ہے۔ پس یہ ممکنہ ہوا۔ ہر رسول کسی زمانہ میں طعام کھاتا ہے" یہ مطلقہ عامہ ہوا ۱۲ منہ مترجم

[2] جیسے کہیں زید کھاتا ہے کبھی نہ ہمیشہ اس کو وجودیہ کہتے ہیں ۱۲ منہ مترجم

Marfat.com

واقتضاء الطبيعة بدل ما يتحلل منه فی ذلك فرع التحلل ولا ارتياب فی تنوع مراتب التحلل
باختلاف الاسباب الداخلية والخارجية ولا تحديد لمراتبه فالتحلل الذی فی مرتبة
ناقصة غير التحلل الذی فوقه يجوز سلب كل منهما عن الآخر وكذلك يقال فی جميع
مراتبه ان كل مرتبة عينها فهی مسلوبة عما تحتها وعمّا فوقها من المراتب وهما مسلوبان
عنها فهذا حكم اجمالی علی كل مرتبة بامكان سلبها عن جميع المراتب الأخر كامكان سلب
المراتب الاخر عن تلك المرتبة وهذا فرع امكان السلب فی نفس الامر اذ سلب مرتبة مُعينة
فی مرتبة اخری سلب مقيد والسلب فی نفس الامر اعم من ان يكون ذلك السلب مقيدًا
بكونه فی مرتبة اخری او لا سلب مطلق ولا ريب فی ان امكان المقيّد فرع امكان المطلق ومتاخر
عنه واذا كان الامر كذلك امكن سلب التحلل رأسًا فامكن انتفاء الجوع اصلا مع بقاء الشخص

یہ جو ہم بیان کر آئے ہیں کہ بھوک ضروری الثبوت نہیں ہے سو اُسکی دلیل یہ ہے کہ درونی اور بیرونی اسباب کے
سبب اجزا گھٹتے ہیں۔ انکے قائم مقام اجزا کے چاہنے کو بھوک کہتے ہیں۔ پس جب تک گھٹنا متحقق ہوگا
تو بھوک بھی متحقق ہوگی۔ پھر بدیہی ہے کہ جب تحلل یعنے گھٹنے کے اسباب مختلف ہونگے تو بالضرور تحلل کے
درجہ بھی مختلف ہو جائینگے۔ مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ تحلل کے درجہ بے شمار ہیں۔ پس بنا براں کہیں ادنے اور
کہیں اعلی ہر ہر ایک دوسرے سے سلب کیا جا سکتا ہے اور کہہ سکتے ہیں کہ ادنی تحلل اعلی تحلل نہیں ہے۔ اور اعلی
ادنی نہیں غرضکہ جس مرتبہ اور درجہ کو مدِ نظر رکھیں اس سے جو ادنی ہے یا اعلی اُسے اس درجہ معیّنہ سے
مسلوب کرنا جائز ہے ویسے ہی ان دونوں کو اس مُعیّن درجہ سے رفع کر سکتے ہیں تو گویا یہ اجمالاً حکم لگایا گیا
ہے کہ ہر ہر درجہ کا اپنے ماسوا سب درجات سے مسلوب ہونا ممکن ہے جیساکہ باقی درجات کا سلب اس درجہ سے ممکن
ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ یہ سلب مقیّد ہی جب یہ ممکن ہوا تو صاف ثابت ہوا کہ واقع میں بھی سلب ممکن ہے کیونکہ
وہ مطلق ہے اور مقیّد بجز امکان مطلق کے ممکن نہیں ہو سکتا۔ رہی یہ بات کہ جو سلب واقع میں ہی وہ کیوں مطلق ہی سو
اسکی وجہ یہ ہے کہ سلب واقعی میں کسی درجہ میں متحقق ہونیکا لحاظ نہیں ہے لیکن سلب کے ممکن ہونیسے یہ لازم آیا کہ تحلل
کا سرے سے ہی مسلوب ہونا ممکن ہو۔ کیونکہ نفس تحلل کا سلب ہی مطلق سلب ہے۔ اسواسطے تحلل کا سرے سے ہی مسلوب
ہونا ممکن ہوا پس بھوک کا سلب بھی سرے سے ممکن ٹھہرا۔ لہذا ثابت ہوا کہ بھوک خود ضروری الثبوت نہیں ہے
جیساکہ ہم پہلے بیان کر آئے تھے۔ ہاں یہ گمان نکرنا چاہئے کہ تحلل کا سلب ممکن ہی ممکن ہے۔ نہیں بلکہ

Marfat.com

بل حکم الله تعالیٰ بتحقق انتفاء الجوع فی القرآن ولم یکتف بمحض امکانه وقال عز من
قائل مخاطبا لآدم ان لك الا تجوع فیها ولا تعری وانك لا تظمؤ فیها ولا تضحی
ولیس ذلك الا لعدم التحلل کما ان عدم الضحی لعدم الشمس وحمله علی عدم دوام
الجوع او علی عدم اشتداده غیر صحیح والا لصح حمل جمیع الافعال المدخولة بحرف النفی
علی نفی دوامها او عدم اشتدادها وامثال هذا لا تصح ولا تستقیم الا لوجود ضرورة
داعیة وای ضرورة احوجنا الی صرف اللفظ عن الظاهر وحمله علی غیر الظاهر
بحیث لا ینتقل الیه الذهن اصلا والتمسك علی وجود تلك الضرورة بقوله وقلنا
یا آدم اسکن انت وزوجك الجنة وکلا منها رغدا حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة
فتکونا من الظلمین ۂ غیر مستقیم فان اطلاق الاکل واباحته لا یقتضی

خداوند تعالیٰ کی کلام سے اس کا وقوع بھی ثابت ہے آیت میں خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے آدم ع تجھکو
بہشت میں نہ بھوکہ لگے گی اور نہ تم اسمیں برہنہ ہوگے اور تجھکو پیاس لگے گی اور نہ تم اسمیں چاشت کا
وقت دیکھوگے۔ بھوکہ کا انکو بہشت میں عارض نہ ہونا اسواسطے تہا۔ کہ وہاں تحلل نہیں تہا جیساکہ
چاشت کا وقت آفتاب کے نہونے کے سبب نہیں تہا۔ اگر اسکے جواب میں کہینگے کہ اس سے مقصود
یہ ہے کہ ہر وقت میں بھوکہ نہیں لگےگی یا سخت بھوکہ نہیں عارض ہوگی۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ غلط
ہے ورنہ چاہئے جہاں کہیں حرف نفی داخل ہوا ہو وہاں پر ایسا ہی مراد ہو۔ حالانکہ اس قسم کی
تجویز تب تک صحیح نہیں ہے جبتک کہ کوئی ضرورت نہ ہو۔ پھر یہاں پر کہئیے کہ کونسی ضرورت
درپیش ہے کہ ظاہر معنے کو چھوڑ کر ایک ایسے معنے مراد رکھ لیں کہ اسکیطرف ذہن کا انتقال
بھی نہیں ہوتا۔ اگر ضرورت یوں ثابت کریں کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ "اے آدم تم اور تمہاری
بی بی بہشت میں رہو۔ اور اسمیں فلانے درخت کے سوا جس درخت کا پہل کہانا چاہو گے کہاؤ
تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ بہشت میں بھی بھوکہ عارض ہوتی ہے۔ لہذا جہاں پر بھوکہ کی
نفی کی گئی ہے وہاں سخت بھوکہ یا دائمی بہوکہ مراد رکھ لینا چاہئے" سو اس کا
جواب یہ ہے۔ کہ اس آیت میں صرف آدم علیہ الصلوۃ والسلام وحوا رض
کے لئے بہشت میں کہانا مباح اور جائز کردیا گیا ہے۔ اور اس سے

الجوع اذ کما ان الفواکہ فی الدنیا لا توکل الا لحصول اللذة لا لدفع الجوع کذا طعام
الجنة ولا افتقار الیہ لحصول بدل التحلل ودفع الجوع بل لا جوع ولا تحلل وانما یکون
اکلہ لحصول اللذة فقط فان لم تقتنع بما قلنا فطالع التیسیر والوجیز وکیف لا مع انہ
قد تاکد وتاید بما صح ان فی الجنة بابا یقال لہ الریّان من دخل شرب ومن شرب لا یظما
ابدًا ولا فرق بین الجوع والظما فکما لا امتناع فی عدم التعطش لا امتناع فی عدم الجوع
ولا یرد علی ما قلنا من انہ اذا امکن سلب التحلل امکن انتفاء الجوع انہ احتجاج بلا دلیل
اذ انتفاء العلة لا یستلزم انتفاء المعلول بدلیل ما تقرر عند الاصولیین من جواز تعدد
العلل علی معلول واحد فلا یلزم انتفاء المعلول بانتفاء واحد منہا لجواز تحققہ بتحقق علة
اخری منہا کعدم صحة الاحتجاج علی الحکم بان زید لم یمت بانتفاء واحد من علل الموت
کما یقال لانہ لم یسقط من اعلی الجبل فہذا الاستدلال غیر صحیح اذ الموت کما یتحقق بالسقوط

بھوک کا اسمیں متحقق ہونا لازم نہیں آیا ہے۔ اسواسطیکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ دنیا میں میوجات تلذذ کی
لئے کہائے جاتے ہیں نہ بھوک کے لئے ویسے ہی بہشت میں جو طعام کھانے کی اجازت دیگئی ہے
اور دیجائیگی وہ تو صرف تلذذ کے واسطے ہے۔ اسپر بھی اگر ای مخالف قانع نہیں تو تفسیر تیسیر اور وجیز
کا مطالعہ کر۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ بہشت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ
کا نام ریّان ہے اسمیں سے جو داخل ہوگا پیئیگا اور جو پیئے گا پھر کبھی اسکو پیاس نہیں لگے گی۔ ظاہر ہے کہ
پیاس اور بھوک میں کچھ فرق نہیں ہے۔ پس جیسا کہ پیاس کا نہونا ممکن ہوا اسیطرح پر بھوک کا نہونا بھی جائز
ٹھہرا۔ سوال یہ جو تمنے کہا ہے کہ جب تخلل کا سلب ممکن ہوا تو بھوک کا عدم بھی ممکن ٹھہرا۔ یہ تو ایسی ایک
بات ہے کہ اسپر کوئی دلیل نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ علت کے نہ پائے جانے سے معلول کا نہ پایا جانا لازم
نہیں ہوتا۔ پھر کیسے آپ کہتے ہیں کہ تحلل کے غیر متحقق ہونے سے بھوک کا غیر متحقق ہونا جائز ہے۔
کیوں درست نہیں کہ بھوک کے لئے اور ہی کوئی علت ہو۔ جس کے تحقق سے اس کا بھی تحقق
لازم ہو۔ کیا زید کا نہ مرنا۔ اگر یوں ثابت کرنا چاہیں کہ وہ پہاڑ پر سے گر کر نہیں مرا صحیح ہوگا۔
نہیں کیونکہ زید کا مرنا چھت یا درخت پر سے گرنے سے بھی متحقق ہو سکتا ہے۔
علے ہذا القیاس مرنے کے لئے اور

من اعلى الجبل كذلك بهمن اعلى سطح البيت ومن فوق الشجرة الطويلة ويضرب
من السيف والحجر وامثاله ونحو امراض يستصعب احصائها فبانتفاء واحد منها
كيف يجزم بانتفاء الموت اصلا لامكان تحققه بتحقق واحد آخر من تلك الانواع و
عدم وروده لان التحقيق ان المعلول اذا انحصر في العلة وتكون العلة لازمة له و
هي مفسرة في كتب القوم بما لولاه لامتنع الحكم المعلول فانتفائها يستلزم انتفاء المعلول
اذ لا يتصور تعدد العلل بهذا المعنى حتى يمكن عند انتفاء احدها ثبوته باخرى منها فاذا لم
يجز تعدد العلة وانحصر المعلول الواحد في العلة الواحدة اللازمة له فلو تحقق المعلول
مع ارتفاع العلة بهذا المعنى لزم تحقق الملزوم بدون اللازم فالاستدلال على عدم المعلول
بانتفاء العلة بهذا المعنى استدلال بانتفاء اللازم على انتفاء الملزوم ولا ريب في صحته والتحلل
بالنسبة الى الجوع كذلك لانه المتوقف عليه الجوع بمعنى لولاه لامتنع لا بمعنى الامر المصحح

اسباب بھی ہیں جنکے عارض ہونے سے زید مر سکتا ہے۔ پھر اگر ان اسباب میں سے ایک سبب نہ پایا جاویگا تو کیا زید کا مرنا جائز نہیں ہوگا بلکہ ہوگا ویسے ہی وہ حکم جو آپ لگا چکے ہیں صحیح نہیں ہے۔ الجواب علت دو طرح پر ہے ایک یہ کہ اگر علت متحقق نہو تو معلول ہرگز متحقق نہیں ہوگا سو اس صورت میں معلول کا اس علت کے بدون پایا جانا ہرگز جائز نہیں کیونکہ بایں معنے علتیں دو تین نہیں ہو سکیں۔[1] پس جبکہ اس علت کا تعدد اور تکثر جائز نہیں ہے تو معلول اسمیں منحصر ہوگا اور علت اسکو لازم ہوگی اسلئے کہ اگر معلول اس علت کے بغیر پایا جاویگا تو ملزوم کا لازم کے بغیر پایا جانا متحقق ہوگا حالانکہ یہ باطل ہے لہذا ہمارا یہ قول کہ "بھوک نہیں ہے کیونکہ تحلل نہیں ہے" صحیح ہوا کیونکہ تحلل بایں معنے کہ "وہ اگر نہ متحقق ہو تو بھوک بھی متحقق نہیں ہوگی"۔ بھوک کے لئے علت ہے۔ تحلل بھوک کے واسطے علت بایں معنے نہیں ہے کہ "وہ جسوقت پایا جاویگا تو بھوک بھی متحقق ہوگی[2] (یعنی بمعنے اذا وجد فوجد) اسلئے یہ استدلال کہ "بھوک کا بغیر متحقق ہونا ممکن ہے کیونکہ تحلل کا عدم جائز ہے"۔ درست ہوگا۔

البتہ بھوک کہانے کے واسطے یعنے مصحح

---

[1] کیونکہ ہر ایک پر یہ عبارت کہ "اگر وہ نہ ہو تو معلول ہی نہیں ہوگا" ہرگز صادق نہیں آویگی بلکہ ہر ایک پر تو یوں کہا جاویگا کہ اس علت کے غیر متحقق ہونے کی حالت میں معلول متحقق ہو سکتا ہے ۱۲ مترجم

[2] اس قسم کی علت کو مصحح لدخول الفاء کہتے ہیں جیساکہ خاص رکن اور تہم جہت کے لئے علت ہی کیا معنے کہ اگر یہ خاص رکن ہونگے تو جہت قائم رہیگی۔ اگر انکے قائم مقام اور تہم بھی رکھ جائیں تو بھی قائم رہیگی ۱۲ مترجم

Marfat.com

لدخول الفاء فيصح الاستدلال على امكان انتفاء الجوع بامكان انتفاء التحلل نعم الجوع
علة للاكل بالمعنى الاخير ولذا لا يلزم من انتفاء الجوع انتفاء الاكل لجواز تحققه
بدونه بعلة غير الجوع كاستحصال اللذة وقصد علاج ونحوه وهذا واضح على من
ادنى تامل واستدل ايضا ببعض هذه الاية وهو قوله تعالى وما كانوا خالدين وبقوله تعالى
وما جعلنا لبشر من قبلك الخلد افائن مت فهم الخالدون وتحرير استدلاله هذا انه لو كان
المسيح عليه السلام حيا لزم ان يكون خالدا وقد نفى الله الخلود عن كل افراد البشر في
هاتين الايتين وجوابه ان الخلود المنفي في كلتا الايتين هو الخلود بمعنى دوام الحيوة
في الدنيا لا بمعنى طول العمر بل لا حقيقة للخلود الا دوام الحيوة كما لا يخفى على من هو ماهر في
معاني اللغة ومفاهيم نظم القران قال تعالى في حق اهل الجنة اولئك اصحاب الجنة هم
فيها خالدون وفي حق الكفار اولئك اصحب النار هم فيها خالدون وعلى هذا
فمعنى الايتين نفي دوام الحيوة في الدنيا لفرد من افراد البشر وهو نقيض الدائمة المطلقة

لدخول الفاء (اسکا معنے وہی ہے جو ابھی گذرا) علت اور سبب ہے کیونکہ کہانا بہوک کے بغیر بھی متحقق
ہو سکتا ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ لذت یا کسی علاج کے واسطے بھی کہاتے پیتے ہیں۔ کادیانی اس استدلال
کو بھی پیش کرتے ہیں کہ خداوند عز اسمہ فرماتا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں تھے نیز کہ ہمنے
یا رسول اللہ آپسے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی ہے کیا اگر آپ مر جائیں تو آپکے مخالف ہمیشہ رہینگے"
اس استدلال کی توضیح۔ تنقیح اس طرح پر ہے کہ مسیح علیہ السلام اگر ابتک زندہ ہوتے تو انکا ہمیشہ زندہ ہونا
لازم آویگا حالانکہ خداوند تعالے نے صاف فرمایا ہے کہ کسیکو ہمیشگی نہیں ہے"۔ الجواب دونوں
آیتوں میں جو ہمیشگی کی نفی کی گئی ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ طویل العمر بھی نہیں بنایا گیا بلکہ دراصل اسکا
معنی تو یہ ہے کہ کوئی ابدالآباد خدا کی طرح زندہ نہیں رہیگا۔ اگر اے مخالف اسپر آگاہی نہیں ہے تو کتب لغات
مفاہیم قرآن کو غور سے دیکھو۔ دیکھتے نہیں کہ قرآن شریف میں بہشتیوں کے حقمیں فرمایا ہے کہ وہ بہشت میں
خالدین اور ہمیشہ رہینگے۔ دوزخیوں کے حقمیں ارشاد ہے کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہینگے۔ لہذا دونوں آیتوں میں جو خلود
ہمیشگی مذکور ہے اسکا معنے دوام ہے۔ پس نفی اگر ہے تو دوام کی ہے لا غیر۔ یہ (یعنے نہیں کوئی ایک بھی آدمیوں
میں سے کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے) دائمہ موجبہ جزئیہ مطلقہ کی نقیض ہے،

الموجبة الجزئية اعنى قولنا بعض البشر حى دائما وهذه قضية كاذبة قطعا وبلازم ذلك النقيض الصريح قولنا لا شئ من البشر بحى بالفعل وهى قضية صادقة لصدق ملزومها الثابت بقول الله عز وجل المذكور لاستلزام تحقق الملزوم تحقق اللازم فهذه المطلقة العامة السالبة لا تستوجب موت المسيح فى الزمان الماضى خاصة اذ لا اختصاص للاطلاق والعام بزمان دون زمان بل تقتضى موته فى الجملة والمسلمون باجمعهم قائلون بوقوع موته فى مبادى الساعة فما لزم وثبت بالآيتين غير مناقض ولا مناف لاعتقاد كون المسيح حيا الآن وما ينافى لذلك الاعتقاد الصحيح الحق الصريح من دوام الحيوة فى الدنيا وعدم الموت عدما مؤبدا غير ثابت بالآيتين فالثابت غير محال والمحال غير ثابت وحمل الخلود فى الآيتين على معنى طول العمر مجازا لا يصح اذ حمل اللفظ على المعنى المجازى بغير قرينة صارفة

(وہ یہ ہے کہ بعض آدمی دائماً زندہ ہیں) لیکن یہ قضیہ کاذب ہے اسلئے کہ اسکی نقیض کہ نہیں ہے کوئی بشر بالفعل زندہ" صادق ہے کیونکہ اس کا ملزوم (یعنے نہیں ہے کوئی ایک بھی آدمیوں میں سے الخ) جو قرآن سے ثابت ہے حق ہے وجہ یہ ہے کہ ملزوم کے متحقق ہونے کو لازم کا تحقق ضروری ہے۔ پس یہ مطلقہ عامہ سالبہ کہ "نہیں ہے کوئی بشر بالفعل (تین زمانوں میں کسی زمانہ میں) زندہ" مسیح علیہ السلام کی موت کو زمانہ گزشتہ میں مستلزم نہیں ہے کیونکہ جس خبر کا پایا جانا تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں معتبر ہو تو اسکا خاص ماضی یا خاص مضارع میں متحقق ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ یوں ضروری ہے کہ وہ (جیسے موت المسیح کا) کسی نہ کسی زمانہ میں وجود ضروری ہے خواہ استقبال میں ہی ہو ماضی میں تو ضروری نہیں ہے یہ ظاہر ہے کہ اہل اسلام سلفاً و خلفاً اسکے قائل ہیں کہ مسیح علیہ السلام بعد نزول قریب قیامت کے مر جائینگے۔ اب یہ قرآن سے بالکل مخالف نہیں ہے کیونکہ قرآن سے تو دوام الحیوة کی نفی ثابت ہے۔ جو ہمارا اعتقاد اور باقی اسلامیوں کا عقیدہ ہے اسکے منافی نہیں ہے بنا بر علیہ ہم کہتے ہیں جو ثابت ہوا وہ محال نہیں۔ جو محال ہے وہ ثابت نہیں حمل دونوں آیتوں میں خلود کا معنے طول بقا بطور مجاز کے ہے۔ جواب یہ بھی غلط ہے[1] کیونکہ اس لفظ کو وضعی اور حقیقی معنے سے چھوڑ کر غیر حقیقی میں مستعمل کرنا تب ہی جائز ہوگا۔ کہ کوئی قرینہ جو حقیقی میں استعمال کرنے

[1] بعض احادیث میں آیا ہے کہ اب سے سو برس سے زیادہ عمر نہیں ہوگی۔ سو یہ باعتبار اکثر کے ہے ورنہ یہ حدیث واقع اور مشاہدات کے برخلاف ہوگی نیز اس حدیث کا یہی مطلب اور حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے چنانچہ ہم اسکی تحقیق بعض ابواب انوار محمدی میں کر چکے ہیں ۱۲ مترجم

عن معناه الموضوع له غير جائز اذ ليس للعمر حد معين حتى يصح حمله عليه والقول
بان العمر الطبعي مائة وعشرون قول مشهوري لا يوجد عليه دليل لا نقلي ولا عقلي
والمشاهدة شاهدة عادلة والنقول متعاضدة بوجود الذين تجاوزوا من مائة
وعشرين في السلف والخلف ولولا خوف الاطالة لادريت بعد ما استقريت
الا ترى انه قد صرح محققوا الاطباء بعدم وجود الدليل على هذا القول المشهور
وكذا لم يوجد دليل شرعي عليه بل ورد الدليل على خلافه قال تعالى في حق نوح فلبث
فيهم الف سنة الا خمسين عاما فحمله على ما حمله الكائد يفضي الى التناقض
بين الآيتين وبين قوله تعالى الم ارا انقا في حق نوح عليه السلام فهل هذا الا سفاهة
وجهالة او زندقة وضلالة اعاذنا الله تعالى من سفاهة السفهاء وجهالة الجهلاء وادخلنا
في زمرة العلماء العاملين وجعلنا من الائمة المتقين الهادين المهديين بجاه خير النبيين

روکتا ہو۔ پایا جاوے لیکن قرینہ تو موجود نہیں ہے البتہ اگر عمر کے واسطے کوئی معین حد ہوتی
تو بیشک یہ قرینہ تھا۔ مگر وہ بھی معین نہیں ہے پہلا نسو اسبات پر کہ عمر طبعی ایکسو بیس برس ہے غرہ
ہوجاؤ یہ تو ایک مشہوری بات تحقیق سے مخالف ہے اسپر نہ تو نقلی نہ عقلی دلیل ہے نیز مشاہدہ کے
برخلاف ہے۔ کئی لوگ ایسے پائے گئے ہیں اور پائے جاتے ہیں جو اس عمر سے متجاوز ہوکر مرے
ہیں۔ خود اطبا نے بھی تصریح کی ہے کہ اس مشہور بات پر کوئی بھی دلیل نہیں ہے خاصکر
شرع شریف سے صاف صاف ثابت ہے کہ یہ عمر طبعی نہیں ہے۔ دیکھو قرآن شریف میں نوح
علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ نوح قوم کے درمیان ساڑھے نوسو برس تک رہے ہیں معہذا
اگر کادیانی وہ معنے لیں گے تو قرآن شریف میں تناقض ثابت ہوگا۔ حالانکہ یہ باطل ہے خداوند تعالے
ہمکو گمراہوں کی گمراہی۔ زندیقوں کی زندیقی سے اپنی پناہ میں رکھے۔ صالحین کے زمرہ میں داخل کرے

پروردگار ہمکو ہادی۔ ہدایت یاب مقتداؤں
سے بطفیل اپنے حبیب محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم

Marfat.com

واله وصحبه اجمعين۔ واستدل ايضًا بقوله تعالىٰ ومنكم من يتوفى و
منكم من يرد الى ارذل العمر لكيلا يعلم بعد علم شيئًا وتهذيبه ان هذا
التقسيم حاصر لجميع افراد البشر كحصر الزوج والفرد لجميع افراد العدد بحيث
لا يجتمع وصفا التوفى والرد الى ارذل العمر فى فرد من البشر ولا يخلو فرد من كليهما
كما لا يجتمع الزوج والفرد فى عدد ولا يخلو العدد من كليهما فالقضية منفصلة
حقيقية فاذا لم يمت المسيح ولم يعرضه ارذل العمر لزم ارتفاع كلا جزئى الحقيقية
وهذا غير ممكن فهذا المحال انما لزم من فرض عدم موته فيكون باطلاً فيثبت نقيضه
وهو موت المسيح فذلك هو المطلوب والجواب انه يمكن التقسيم بين ظاهر مفهومى

انکی آل و صحاب کے بناوے۔ کادیانی اپنے مدعا کے ثابت کرنے کے لئے یوں بھی دلیل پیش کرتے
ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ بعض تم میں سے اے بنی آدم ایسے ہیں کہ وہ ارذل عمر تک پہونچنے سے
پہلے ہی مارے جاتے ہیں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ انکو ہم ارذل العمر تک پہونچاتے ہیں۔ پھر پیر فرتوت
بناتے ہیں ایسا کہ وہ سیکھے سکھائے کو بھول جاتا ہے۔ اس استدلال کی اصلاح اس طرح پر ہے
کہ جیسے جفت اور طاق عدد کے افراد کو حاصر ہے ویسے ہی مرجانا۔ ارذل العمر تک پہنچنا تمام افراد
انسان کو حاصر ہے پس جیسے کہ عدد کے افراد میں جفت و طاق جمع نہیں ہوتا۔ نہ دونوں سے خالی
ہوتے ہیں۔ ویسے ہی افراد انسان ان دونوں سے نہ تو خالی ہو سکتے ہیں اور نہ یہ دونوں انمیں اکٹھے
پائے جاسکتے ہیں۔ پس یہ ایک قضیہ منفصلہ حقیقیہ[له] ہوا۔ اب بھی اگر تم کہو گے کہ مسیح علیہ السلام نہ تو مر گئے
ہیں اور نہ ارذل العمر انکو عارض ہوگئی ہے تو بداہۃً ان دونوں کا افراد انسان کی بعض سے ارتفاع
لازم آویگا۔ حالانکہ دونوں کا مرتفع ہونا باطل ہے۔ چونکہ یہ امر محال مسیح علیہ السلام کی زندگی کے فرض
کرنے سے لازم آیا تو مفروض بھی محال ہوا۔ جب زندگی محال ہوئی تو اسکی نقیض (یعنے انکا
مرنا) ثابت ہوئی۔ یہی مقصود تھا۔ الجواب من یتوفی (یعنے جو شخص مارا جاتا ہے)

[له] ۔ منفصلہ حقیقیہ جیسے کہیں کہ زید یا پہلے ہی مرجائیگا۔ یا ارذل العمر تک پہونچکر مرے گا۔ اب
اسمیں یہ ضروری ہے کہ نہ تو یہ ہو کہ زید پہلے ہی مرے اور ارذل العمر تک بھی پہونچے۔ اور نہ یہ کہ
نہ وہ ہو نہ یہ۔ ہذا بناءً علی قول الکادیانی ۱۲ مترجم

Marfat.com

من يتوفى ومن يرد لان من يرد بحسب مفهومه يندرج في من يتوفى لانه
اخص منه فان من يرد الى ارذل العمر لا محالة يدركه التوفي والتوفي متحقق بدون
الرد ايضاً كما هو معه فالمتوفي اعم ممن يرد وتقسيم الشئ الى نفسه والى ما هو
اخص منه غير صحيح بل غير متصور لانه عبارة عن جعل الشئ الواحد بالوحدة
المبهمة متعدداً بضم قيود متعددة مختلفة فان كانت القسمة اعتبارية كتقسيم
كل ماهية الى حصصها وافرادها الاعتبارية يكون التقييد بها داخلاً في عنوانها
دون الحقائق والمعنونات والقيود غير داخلة اصلاً لا في هذه ولا في تلك و

اور من یرد (یعنے جو شخص ارذل العمر تک پہونچایا جاتا ہے) کے ظاہر معنے کیطرف لحاظ کرکے یہ تقسیم درست نہیں ہے سبب ہے کہ "جو ارذل العمر کیطرف مردود ہوتا ہے وہ باعتبار اپنے معنی کے من یتوفی میں داخل ہے کیونکہ وہ خاص اور یہ عام ہے۔ کیا یہ معلوم نہیں ہے کہ جو ارذل العمر تک پہنچتا ہے اسکو بھی موت لاحق ہوتی ہے۔ اور ہر موت اسکے بغیر بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ بات اسی آیت سے ثابت ہے۔ پس متوفی جب کہ من یرد سے عام ہو تو یہ تقسیم اسواسطے درست نہیں ہے کہ یہ ایک چیز کو اپنے آپ اور اخص پر بانٹنا ہے"۔ حالانکہ تقسیم جب ہی درست ہوتی ہے کہ اقسام مقسم سے مغائرت رکھتی ہوں نہ کہ ایک قسم عین مقسم ہو اور دوسرا غیر بلکہ ایسی تقسیم متصور ہی نہیں ہے اسلئے کہ تقسیم کے یہ معنی ہیں کہ ایک چیز کو بلا اسکے کہ اسمیں خصوصیۃ اور عموم کا لحاظ کریں"۔[له] لیکر اسکو مختلف قیدیں لگائی جائیں۔ پھر اگر یہ تقسیم اعتباری ہے تو مضاف الیہ یا صفت وغیرہ کے ساتھ عبارت میں تقیید داخل ہوگی۔ معنوں سے خارج جیسے مطلق سیاہی کو جب پتھر کی یا گھوڑے کی یا حبشی کی سیاہی کیطرف تقسیم کریں"۔ یا تقسیم واقعی ہوگی۔ لیکن یہ تب ہوگی کہ ماہیت کو

له۔ مثلاً کلمہ اور لفظ کو ہم بلا لحاظ خصوص اور عموم کے جتنے مرتبہ لا بشرط شے" کہتے ہیں لیکر ایک یہ قید لگاویں کہ اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے اور کوئی زمانہ اس سے مفہوم نہوئے تو یہ کلمہ اسم کہلاتا ہے۔ اگر اپنے معنے پر بالاستقلال دلالت کرے مگر اس سے کوئی زمانہ بھی مفہوم ہووے تو یہ فعل کہلاتا ہے علے ہذا القیاس اور ایک قید لگانیسے وہ حرف کہلاتا ہے۔ اب دیکھو کہ کلمہ مقسم ہے اور یہ تینوں اسکی قسم ہیں۔ مگر یہ قسم مختلف قیود لگانے سے حاصل ہووے ۱۲ مترجم

ان كانت حقيقية فاما بالمقومات المحصلة و الفصول المنوعة فيكون القيود داخلة فى المعنونات وان بالعوارض المخصصة فالقيود داخلة فى العنوانات دون المعنونات وظاهر ان الانسان لو كان منقسماً الى المتوفى والى من يرد لكان انقسامه بهذين الوصفين انقسام الشئى بالعوارض المخصصة المميزة لبداهة خروج وصفى لتوفى والرد عن الانسان والتميز لقسم انما يحصل بوصف يختص بذلك القسم ولا يوجد فى قسيمه والتوفى ليس كذلك لتحققه فيما زعمه المستدل قسيماً للمتوفى ايضا فاذا انتفى الاختصاص والتميز انتفى التقسيم وان تاملت حق التامل تيقنت بالتقسيم بين من يتوفى من غير ان تعرضه حالة الرد وبين من يتوفى مع عروضها

فصول کے ساتھ تقسیم کریں۔ مگر اس صورت میں فصل کی قید معنوں میں داخل ہوگی جیسے حیوان کو ناطق یا ناہق سے مقید کریں۔ قید مع مقید پر انسانیہ یا حماریہ کا حکم لگاویں یا اگر ماہیت کو عوارض سے مقید کر کے تقسیم کریں۔ قید کو معنوں میں داخل سمجھیں۔ چنانچہ لکھنے والا انسان۔ غیر کاتب انسان۔ پس صورت اولی میں حیوان انسان۔ حمار کہلائے گا۔ دوسری صورت میں زید اور عمر وغیرہ کہلائے گا۔ یہی تقسیم ہے۔ جب یہ سمجھ گئے تو یہ بھی سمجھ لیں کہ انسان کو اگر متوفی۔ من یرد کیطرف تقسیم کریں گے تو یہ تقسیم ایسے عوارض کے ساتھ ہوگی جو الگ قسم اور خاص بنانے والے ہیں کیونکہ جو چیز کہ حقیقت سے خارج ہو وہ عرض ہے۔ پس چونکہ توفی اور رد یہ دونوں انسان کی حقیقت سے خارج ہیں عوارض ہیں۔ لیکن تقسیم میں جو یہ بات ضروری ہے کہ اقسام آپسمیں غیریت رکھتے ہوں اور ہر ایک جب ہی ممتاز ہوگا کہ ایک کا وصف دوسرے میں متحقق نہو حالانکہ توفی ایسا نہیں ہے۔ اسواسطیکہ یہ وصف من یرد میں بھی متحقق ہوتا ہے۔ پس اس وصف کی ایک چیز کے ساتھ کیا خصوصیت رہی۔ کیا تمیز دے سکتا ہے۔ لہذا کادیانی نے جسکو تقسیم سمجھا تہا وہ تقسیم ہی نہیں ہے۔ ہاں بلاشبہ اگر مطلق من یتوفی کو لیکر یہ دو قسم کر ڈالیں تو صحیح ہے چنانچہ کہیں کہ ایک من یتوفی وہ ہے کہ

لہ معنوں میں داخل ہونے کے یہی معنے ہیں ۱۲ مترجم

ويرد وحينئذ المتوفى مطلقا المتلازم للانسان بين قسميه كما يرد الحيوان
المنقسم الى قسميه من الناطق وغير الناطق فمحل التقسيم ومورد القسمة هو
المتوفى مطلقا والقسمان اللذان ينقسم اليهما هما المتوفى المعروض للرد والمتوفى
الذى ليس كذلك فهذا التقسيم صحيح وحاصر وبحصر المتوفى المطلق اللازم ينحصر
الانسان الملزوم ولا يلزم التنافى بين القول بعدم مضى موت المسيح عليه السلام
وبين ذلك الحصر لكفاية القول بوقوع موته فى الآتى لصحة ذلك الحصر وهو عليه السلام
داخل فى الشق الاول من الحصر وليس من لوازم دخوله فيه مضى موته البتة
فان الشق الاول مذكور بصيغة المضارع دون صيغة الماضى ولعل المستدل
الكائد اشتبه عليه لفظ يتوفى المضارع المجهول بصيغة توفى الماضى المجهول فتفوه
بما تفوه ولم يات بشئ معقول نعم انما يلزم ابطال الحصر لو قيل بتابيد حيوته وخلوده
فى الدنيا فحينئذ لا تنفع كلا الشقين ولوجد قسم آخر من الانسان لم يوجد فيه التوفى مطلقا

جسکو رد کی حالت عارض نہیں ہوتی۔ دوسرا وہ ہے کہ جسکو یہ حالت عارض ہوتی ہے۔ البتہ اس
طریق پر متوفی دونوں میں مشترک ہوگا۔ اب جسطرح کہ حیوان محل قسمت ہے۔ حیوان ناطق۔ حیوان
ناہق۔ اسکے دو قسم ہیں ویسے ہی مطلق متوفی محل تقسیم ہے اور متوفی جسمیں رد کی حالت کا عارض
ہونا معتبر ہے۔ اور متوفی کہ جسمیں اس حالت کا عارض ہونا ملحوظ ہے۔ اسکے دو قسم ہونگے مطلق
متوفی کے جو لازم ہے " محصور ہونے سے انسان کا جو ملزوم ہے " محصور ہونا متحقق ہوا رہی یہ بات کہ
مسیح علیہ السلام کا اگر زمانہ ماضی میں نہ مرنا ہی مانا جائے تو یہ اس حصر سے منافی ہے۔ سو یہ غلط
ہے کیونکہ مسیح علیہ السلام پہلی شق (یعنے متوفی سوا اسکے کہ اسکو رد کی حالت عارض نہو) میں داخل
ہے۔ پس مسیح کا زمانہ ماضی میں نہ مرنا منافی حصر نہیں ہے۔ اسلئے کہ حصر صحت کے واسطے اتنا کافی
ہے کہ وہ زمانہ مستقبل میں مرجائیں۔ حصر کے لوازم سے یہ تو نہیں ہے کہ وہ زمانہ ماضی میں مر گئے
ہوں کیا دیکھتے نہیں کہ شق اول بصیغہ مضارع مجہول آیت میں بیان کی گئی ہے نہ بصیغہ ماضی مجہول
شاید کادیانی مضارع و ماضی میں فرق نہیں کرتے ہیں۔ اسیواسطے جو کچھ خیال میں آیا لکھ مارا۔ بیشک
اگر مسیح علیہ السلام کا دنیا میں ہمیشہ زندہ رہنا مانا جاتا تو یہ حصر سے منافی ہوتا وجہ یہ ہے۔ کہ پھر

Marfat.com

فکان محلاً لان یورد علیه بانه اما ان یوجد فی ذالک القسم الخارج من القسمین الذی فرض مؤبداً ومخلداً مطلق التوفی وھذا مع کونه بدیھی الاستحالۃ التنافی ابدیۃ الحیوۃ والتوفی یقتضی ابطال الحصر لوجود المقسم بدون ما انقسم الیه من القسمین واما ان لا یوجد فیه بسبب انتفاء جمیع موادہ وارتفاع ما ینحصر فیه وھذا یفضی الی القول بعدم لزوم التوفی للانسان وذالک باطل بدلیل قوله تعالیٰ کل نفس ذائقۃ الموت واما الی القول بجواز حصر اللازم فی شیٔ بدون حصر الملزوم فی ذالک الشئی وھو ایضاً باطل للزوم انفکاک اللازم عن الملزوم وھذہ المحالات انما ھی لازمۃ علی القول بتابید حیوتہ علیه السلام فیکون باطلاً ولا تلزم للقول بطول حیاتہ مع وقوع موتہ فی المستقبل وبینھما بون بعید وعد ذالک الکاذب ھذہ الاستدلالات من الاستدلال بالعمومات ثم استدل علی

تیسری قسم کا انسان کہ جسمیں مطلقاً توفی نہیں تہا ماننا پڑتا۔ پس بریں تقدیر یہ اعتراض وارد ہوتا کہ "اس قسم کے انسان میں مطلق توفی پایا جاتا ہے یا نہ۔ اگر پایا جاتا ہے تو یہ باطل ہے۔ کیونکہ ابدیت ایک تو منافی موت ہے۔ دوم اس صورت میں حصر باطل ہوتا ہے۔ اس واسطے اس صورت میں مقسم کا ان دو قسموں کے بغیر جنکی طرف اسکو تقسیم کیگئی تہی" موجود ہونا لازم آوے گا۔ اگر انسان میں مطلق توفی متحقق نہیں ہے۔ اس سبب سے کہ وہاں پر اس مطلق کا محل جنمیں منحصر تہا پائے نہیں جاتے" تو اس سے دو محالوں میں سے ایک محال لازم ہوگا۔ یا یہ کہ توفی انسان کو لازم نہیں حالانکہ یہ باطل ہے اسلئے کہ خداوند تعالی فرماتا ہے کہ ہر ایک نفس موت کا مزہ چکہیگا۔ یا لازم آویگا کہ ایک لازمی امر کسی چیز میں منحصر ہو اور ملزوم اسمیں منحصر نہ ہو۔ یہ بہی محال ہے کیونکہ اس صورت میں لازم کا ملزوم سے جدا ہونا ظاہر ہے حالانکہ یہ بہی باطل ہے۔ اب چونکہ یہ سب محالات اس صورت پر عائد ہوتے ہیں کہ "مسیح علیہ السلام کا ہمیشہ زندہ رہنا مان لیا جاوے تو یہ بہی باطل ہوا لیکن یہ محالات جس تقدیر پر کہ مسیح علیہ السلام کے لئے طول بقا مستقبل میں مرجانا" مراد لیں گے عائد نہیں ہونے۔ اب تک کادیانی عبارات کے عموم سے استدلال کرتے تھے۔ اب اپنے

زعمہ بالخصوصات منہا حدیث المعراج الدال علی ملاقات بنبینا صلی اللہ علیہ وسلم مع ابنی الخالۃ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام فی السماء الثانیۃ وتنقیحہ انہ لو لم یکن میتا لما اجتمع عیسیٰ مع الاموات من النبیین فی مقار ارواحہم اقول ان ہذا الاستدلال مما یضحک علیہ البلہ والصبیان فانہ لو کان الاجتماع معہم یستلزم موت من یجتمع معہم لزم کون نبینا صلی اللہ علیہ وسلم میتا حین اجتماعہ معہم وھل ہذا الاخبط اوجنون ولو ادعی طول اجتماعہما وکون الاجتماع الکذائی داعیا للاتحاد بینہما فی وصف الموت وان ہذا النوع من الاجتماع لم یوجد لنبینا صلی اللہ علیہ وسلم مع ارواح النبیین فلا یلزم کونہ مثلہم بخلاف عیسیٰ ویحییٰ علیہما السلام فانہما معا مستقران فی تلک السماء فیلزم ان تکون حال احدہما کحال الآخر تقال منعنا المقدمتین من کون السماء الثانیۃ مقرا لکلیہما ومن کون ہذا النوع من الاجتماع علۃ لاتحاد حالتی المجتمعین وسند المنع الاول انہ لا یلزم من ملاقات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع نبی اللہ یحییٰ کون یحییٰ علیہ السلام مستقرا مقیما فی تلک السماء بل یجوز ان تکون ملاقاتہما کملاقاتہ مع جمیع الانبیاء فی الاقصیٰ بان یکون مقرہم

مدعا کے لئے حدیث معراج پیش کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول کریم صلعم نے دوسرے آسمان پر مسیح۔ یحییٰ علیہما السلام" سے ملاقات کی تنقیح الاستدلال اگر مسیح علیہ السلام مرے نہ ہوتے تو یحییٰ علیہ السلام کے ساتھ جو اموات میں داخل ہیں کیوں مجتمع ہوتے۔ الجواب: کہ یہ قول بالکل لچر ہے کیا اگر اموات کے ساتھ مجتمع ہونا مصاحب کے میت ہونیکو بھی چاہتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو معراج کی رات میں اموات کے ساتھ مجتمع ہوتے تھے تو وہ بھی اسحالت میں میت ہی تھے۔ آپکو کیا مرکر معراج ہوا تھا۔ زہے دانش۔ شاید کادیانی یوں بھی کہدیں کہ مدت دراز تک میت کے ساتھ مجتمع ہونا یہ اسکو چاہتا ہے کہ ہم صحبت بھی میت ہو" سو یہ بھی غلط ہے۔ اولاً کہ جائز ہے یحییٰ علیہ السلام کا دوسرا آسمان مقر نہو بلکہ اس خاص وقت میں انکو دوسرے آسمان پر مستقر ہونیکا حکم دیا گیا تھا۔ جیسا کہ رسول کریم صلعم کو حضرات انبیاء علیہم السلام سے مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں پر خواہ ارواح متمثل تھے یا بعینہ اجساد بعینہا"۔ ملاقات ہوئی تھی حالانکہ ان کے ارواح

العلیین وامروا بالذھاب الی المسجد الاقصیٰ اوالی السمٰوٰت المختلفۃ من مقرھم
الاصلی باجسادھم بعینھا او بارواحھم بالتمثل بامثال اجسادھم وکل ذالک ممکن او
یکون مقرھم القبور کما دئی موسیٰ علیہ السلام یصلی فی قبرہ فامروا بالذھاب الی
الاقصیٰ اوالی السمٰوٰت کذالک فان قیل ان ھٰذا القول قول بعروجہ صلی اللہ علیہ وسلم
بالعروج المثالی قلت کلا فان عروجہ علیہ السلام عروج عینی واقع بجسدہ الطاھر
الاشرف ولا یلزم من رویتہ المثل رویتہ بالمثال فان رویتہ الاشیاء فی لیلۃ المعراج
تنوعت فقد رای بعض الاشیاء انفسھا وبعضھا بامثالھا کما یظھر لمن طالع ما ورد
فی بیان معاملۃ الاسراء ذھاباً وایاباً وفرق بین کون المثال مرئیاً وبین کونہ رائیاً

اعلےٰ علییّن تھے۔ یہ سب ممکنات سے ہے۔ یا یہ کہ انکا در اصل مقر قبور ہی ہیں (چنانچہ حدیث میں آچکا ہے کہ موسےٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا گیا ہے) لیکن انکو اسوقت آسمان پر یا مسجد اقصےٰ میں جانے کا حکم دیا گیا تہا۔ سوال یہ تو ہمارا عین مدعا ہے کہ معراج مثالی ہے۔ [1] الجواب آپکے معراج کو مثالی جان لینا ہی غلط ہے بلکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معراج جسد عنصری لطیف کے ساتھ تہا نہ مثالی اور کشفی طور پر کیونکہ صحیح احادیث میں جو حالات آمد و رفت کیحالت میں مذکور ہیں انسے صراحتہً معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسمانی معراج تہا۔ ہاں مثال کو دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ انھوں نے مثال کے ساتھ ہی دیکھا ہو۔ مثال کا مرئی ہونا اور ہے اور رائی ہونا اور ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ آپنے معراج کی حالت میں کئی چیزوں کی مثال کو۔ اور کئی چیزوں کے عین کو ملاحظہ فرمایا ہے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ کے پڑھنے سے معلوم ہوگا

[1] کادیانی کا بیان ہے کہ رسول کریم صلعم کے معراج کی حقیقت یہ ہے کہ آپ بذات خود زمین پر ہی تہے۔ مگر کشف کے طور پر آپ پر مسجد اقصیٰ آسمانوں کے حالات ظاہر کردیئے گئے چنانچہ انکے بڑے خلیفہ نے ایک اشتہار میں جسکا نام مولوی احسن امروہی ہے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی اسیکے مطابق لکھتے ہیں۔ لیکن حجۃ اللہ البالغہ کا یہ مقام دیکھا گیا تو فی الحقیقۃ شاہ صاحب کا وہی مطلب ہے جو ہر گز خلاف عقیدہ قدیمہ نہیں۔ گو اس خلیفہ نے اپنے زعم میں وہی کچھ اپنے مطلب کے موافق سمجھا ہوا تہا۔ سبحان اللہ اگر ایسے منصف ہوں تو سب متقدمین و متاخرین کو بدنام کر ڈالینگے یہہ خصلت ہے کہ کادیانی لکھتا ہے کہ رسول کریم صلعم کو جسم کثیف کے ساتھ معراج نہیں ہوا۔" نعوذ باللہ منہ دیکھئے کیہ ادب ہے اور دعوی مجددیت کا ۱۲ مترجم

فلم يلزم المحذور وبهذا وضح انه لا يلزم من اجتماع المسيح ويحيى فى السماء كون كليهما مقيمين فيها فضلا عن كونهما مشاركين فى وصف الموت كما زعمه وسند المنع الثانى ظاهر فان اتحاد المكان ولو على سبيل القرار لا يستلزم اتحاد المتمكنين فى الاوصاف كلها فتامل يظهر لك حقيقة ما قلنا ومن دلائله الخاصة على حسب زعمه قوله تعالى انّى مُتَوَفّيكَ وقوله عزّوجلّ فلمّا توفيتنى وما هذا فى الحقيقة الا تمويه للباطل وايهام جهلة الناس وايقاعهم فى الضلالة والحيرة وازاحته ان هذين القولين الكريمين لا يدلان على مزعومه اذ التوفى عبارة عن اخذ الشئ وافيًا ومادته الوفاء ومن الاصول المقررة والقواعد المسلمة ان اصل الماخذ بمفهومه معتبر فى جميع تصاريفه وان اختلفت الصيغ والابواب واعتباره فيها اعتبار الجزء فى الكل الا ترى الى لفظ العلم فان معناه حصول صورة الشئ عند العقل او الاضافة بين العالم والمعلوم او نسبة ذات اضافة كذا ابتداءً

لہذا کوئی محال عائد نہیں ہو سکتا" اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے کہ مسیح علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کے دوسرے آسمان پر مجتمع ہونے سے دونوں صاحبوں کا آسمان دوم پر مقیم ہونا ضروری نہیں ہے۔ پھر یہ کب لازم آسکتا ہے کہ جیسے یحییٰ علیہ السلام میت تھے ویسے ہی مسیح علیہ السلام بھی ہونے چاہئیں ثانیاً گو دو شخص ایک ہی مکان میں دائمی طور پر مقیم بھی ہوں تو کیا اس سے ان دونوں کا ہر ہر وصف میں یکساں ہونا لازمی ہے ہرگز نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ قادیانی اپنے گمان فاسد سے اس آیت کو بھی اپنے مدعا کے لئے دلیل سمجھتے ہیں کہ اس آیت (انّی متوفّیک) اور دوسری آیت (فلما توفیتنی) میں خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ اے مسیح میں تیرا متوفی ہوں۔ جب تو نے مجھکو توفی دی۔ لیکن دراصل یہ استدلال محض ملمع ہے بطلوں کو ورطۂ ضلالت میں ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ خیر بہرحال ہم اس کی تردید کریں گے۔ وہ یوں ہے کہ توفی کا معنے لغۃً کسی چیز پر پورے طور پر قبضہ کرنا ہے۔ اس کا مادہ (یعنے جس سے یہ لفظ لیا گیا ہے اور اسکو ماخذ بھی کہتے ہیں) وفا ہے۔ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ ماخذ کا معنے ماخوذ کے تمام گردانوں میں معتبر ہوتا ہے گو انکی صورتیں اور صیغہ مختلف ہوں۔ ماخذ کا معنے ماخوذ میں اسطرح داخل ہوتا ہے۔ جیسے کہ جزء کل میں داخل ہوتی ہے۔ دیکھو علم کا لفظ (خواہ اس کا معنے عند العقل شے کی صورت کا حاصل ہونا۔ یا عالم ومعلوم کے درمیان نسبت ہونا خواہ کہ ایک اضافت والی چیز ہے۔ یا

الصورة الحاصلة او الحالة الادراکیة او تحصل صورة الشئ علی حسب تنوع آرائهم
وهذا المعنی یکون داخلاً فی معانی جمیع ما اخذ من لفظ العلم سواء کان ذلک الماخوذ
من تصریفات المجرد او المزید فان علم مثلاً بصیغة الماضی المعلوم معناه انه حصل للفاعل
صورة الشئ المعلوم فی الزمان الماضی وهذا علی الاصطلاح الاول او حصلت له الاضافة
بینه وبین ما علمه وهذا علی التفسیر الثانی وقس علی ما مثلنا لک بر باقی الاصطلاحات فاشتمال
مفهوم علم الماضی علی مفهوم المصدر ونسبته الی الفاعل والزمان یکون مفهومه کلاً
ومفهوم المصدر جزءاً ففیه الترکیب من ثلثة اجزاء وکون النسبة الی الفاعل والزمان
جزئین عام فی جمیع ما اشتق من المصدر المجرد او اشتق من الماخوذ من ذلک المجرد من
الافعال ولا یلزم ان یکون کل ما اشتق من ذلک المجرد او ما اخذ منه او اشتق من الماخوذ
منه سواء کان فعلاً او غیره کذلک فان من مشتقات العلم العالم والنسبة الی الزمان
لا توجد فیه ومن الماخوذ منه الاعلام وکلتا النسبتین لا توجدان فیه لا نسبة الفاعل
ولا نسبة الزمان بل فیه مفهوم الاصل المجرد وما اقتضاه خصوص هذا الباب الذی بذلک

خود صورت حاصلہ یا دانش ہے یا شئ کی صورت کا حاصل کرنا وغیرہ) گو کسی معنے سے اسکو لو۔ وہ ضرور اسکے
ماخوذ میں پایا جاویگا وہ ماخوذ ابواب مجردہ سے ہو یا مزیدہ سے مثلاً عَلِمَ (جان لیا اُسنے) ماضی معلوم
کے ساتھ اسکا معنے پہلی اصطلاح کے موافق یہ ہے کہ فلانے نے فلانی چیز کی صورت زمانہ گذشتہ میں اپنی
عقل میں حاضر کی دوسری اصطلاح کے مطابق فلانے کو اپنے آپکے اور معلوم کے درمیان ایک نسبت (عالمیۃ
معلومیۃ) حاصل ہوگئی ہے اسیطرح پر اور ونمیں جاری کرو تا ہر ایک میں وہی پائیگے جو ہم بیان کر آئے ہیں۔ پس جبکہ
علم کا لفظ جو صیغہ ماضی معلوم ہے اپنے مصدر اور ماخذ پر بھی شامل ہوا تو اسمیں تین جزؤں سے ترکیب ہوگی
ایک مصدر۔ دوم زمانہ۔ سوم فاعل کیطرف نسبت لیکن یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ دو جزئیں۔ ایک نسبت دوم
زمانہ یہ ہر ایک میں خواہ مصدر مجرد سے لیا گیا ہو یا اس سے جو اس مجرد سے لیا گیا ہے ماخوذ ہو" متحقق ہونگے
البتہ یہ ضرور نہیں ہے کہ ہر ایک ماخوذ میں پایا جاوے نہیں بلکہ فعال میں نہ غیر میں دیکھو علم سے عالم ماخوذ ہے مگر اسمیں
فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کی جانب۔ ہاں اتنا تو ہے کہ اسکا ماخذ یعنے علم اسمیں موجود ہے ایسا ہی اِعلام
(سکھانا) جو اسی علم سے ماخوذ ہے اسمیں تو فاعل کیطرف نسبت ہے اور نہ زمانہ کیجانب۔ ہاں اسکا ماخذ اسمیں موجود ہے

Marfat.com

تعدی الآن الی مالم یتعد الیہ فی صورتہ الاصلیۃ لمادتہ ففیہما الترکیب من جزئین ومن
المشتقات من الماخوذ منہ اعلم بصیغۃ الماضی ایضاً مثلاً ففیہ الترکیب من اربعۃ اجزاء
اثنان منہما الجزء ان اللذان تضمنہما الاعلام من مفہوم المصدر المجرد ومن خصوص
مقتضی الباب والآخران ہما النسبتان المذکورتان ففی التوفی لکونہ ماخوذاً من
الوفاء احتواء علی معنی الوفاء باعتبار کونہ ماخذاً لہ وعلی الاخذ باعتبار خصوص الباب وفی
مااشتق من التوفی من الصیغ الدالۃ علی الزمان کتوفیت مثلاً احتواء علی اربعۃ اجزاء
ومن الصیغ الغیر الدالۃ علی الزمان کصیغۃ المتوفی الطواء علی ثلثۃ اجزاء لعدم شمولہما
علی الزمان فاحاطۃ کل صیغۃ من ہذہ الصیغ المشتقۃ علی مفہوم اصل الماخذ سواء کان
ترکیب معناہا من تلک الاجزاء ترکیباً حقیقیاً کما ہو المشہور او ترکیباً تحلیلیاً کما ہو المحقق

نیز اسمیں باب افعال کا مقتضا جس لئے یہ متعدی ہوا (حالانکہ اسکے ماخذ میں یہ نہیں ہے) پایا جاتا ہے۔
لہٰذا اسمیں دو جز متحقق ہیں۔ اعلام سے جو علم سے لیا گیا ہے "اعلم بصیغہ ماضی معلوم مشتق ہے۔ اس لیے
اسمیں چار جزئیں ہیں ایک علم جو مصدر ہے" دوم باب افعال کا مقتضا۔ سوم فاعل کیطرف نسبت۔ چہارم
زمان۔ جب یہ ثابت ہوا تو پھر ضرور ماننا پڑے گا کہ توفی کے معنے میں وَفا داخل ہے کیونکہ وہ وَفا سے ماخوذ
ہے نیز اقرار کرنا پڑے گا کہ باب تفعل کا مقتضا جو اخذ (بمعنے لے لینا) ہے اسمیں معتبر ہے۔ پس
جو الفاظ توفی سے ماخوذ ہیں۔ بشرطیکہ وہ زمانہ پر دلالت کرتے ہیں" چار چیزوں پر شامل ہونگے
جیساکہ توفیت (پورا لے لیا میں نے) اور جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے ہیں انکی تین جزئیں ہونگی
دیکھو متوفی[1]۔ اسلئے کہ اسمیں زمانہ معتبر نہیں ہے مختصراً کہ جو جو صیغہ کسی مصدر سے لیا گیا ہو۔ اسکو
یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ماخذ و مصدر پر شامل ہو۔ گو اس ترکیب کو تحقیقی کہیں یا اعتباری۔
ہاں یہ تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ کہ اگر اس ترکیب کو تحلیلی کہیں گے حق بھی یہی ہے" تو شمول کا عنی

[1] شاید کوئی کہدے گا کہ اسم فاعل میں تو زمانہ ضروری ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ ضروری اس
موقعہ پر ہے کہ جب عامل ہو نہ مطلقاً یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ آیت انی متوفیک میں جو متوفی ہے اسمیں زمانہ
معتبر ہے کیونکہ یہ یہاں پر عامل ہے" اس لئے کہ متوفی کاف خطاب کی مضاف ہے۔ اور کاف محلاً
مجرور ہے نہ یہ کہ متوفی کا مفعول ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

الحقيق بالتامل الدقيق احاطة الكل على الجزء وان كانت هذه الاحاطة على الاحتمال الثاني الراجح يئول الى الاحاطة بمعنى صحة انتزاع الجزء التحليلي من الكل كذلك فاذن المعنى الذي يراد من التوفي او مما اشتق منه فهو على تقدير كونه مجردا عن معنى الوفاء لا يكون معنى حقيقيا للفظ التوفي او المشتق منه لان التجريد عن بعض اجزاء الموضوع له تجريد عن كله والا يلزم تحقق الكل مع انتفاء الجزء او تحقق ما هو في حكم الكل مع انتفاء ما هو في حكم جزئه وذا باطل بالبداهة فاذا لم يكن ذلك المعنى المراد معنى حقيقيا لذلك اللفظ لا بد ان يكون معنى مجازيا اذ اللفظ المستعمل في المعنى لا يخلو عن الحقيقة و المجاز ولا يختص ذلك الحكم بارتفاع مفهوم المأخذ فحسب بل يحكم بالمجازية في كل صيغة بانتفاء كل جزء اي جزء كان من الاجزاء المعتبرة في تلك الصيغة سواء كان دخول ذلك الجزء فيها بالوضع الشخصي او بالوضع النوعي بمثل الاول باللبنات في الجدران

یہی ہوگا کہ اس جزء اعتباری کا اس اعتباری کل سے اعتبار کر لینا جائز ہے۔ پس اگر توفی کا معنے وفا کو چھوڑ کر لیجائیں گے تو یہ حقیقی نہیں ہوگا۔ اسواسطے کہ موضوع لہ کے بعض اجزا کو الگ کر دینے سے کل ہی سے تخلیہ لازم آتا ہی نہیں تو باوجود انتفا جزء کے کل کا تحقق چاہیے (پر اس صورت میں ہے کہ ترکیب حقیقی ہو) یا لازم آوے گا کہ جو حکما کل ہے وہ حکمی جزء کے بغیر متحقق ہو۔ حالانکہ یہ باطل ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ مجازی معنے ہوگا۔ آخر یہ تو ظاہر ہے۔ کہ لفظ کا استعمال یا حقیقةً یا مجازاً ہوتا ہے۔ لیکن یہ خیال نکرنا کہ ماخذ ہی صرف معتبر ہوگا تب ہی مجازی ہوگا نہیں بلکہ کوئی جزء ہو۔ جبکہ اسکا انتفا مان لیں گے وہ مجازی ہی ہوگا خواہ اس جزء کا دخول وضع شخصی یا وضع نوعی کے ذریعہ سے ہو۔ پہلے[1] کی مثال اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا۔

[1] وضع کا معنے یہ ہے کہ ایک لفظ یا شئے کو کسی مفہوم کے واسطے معین کر دینا۔ رہا یہ کہ شخصی کیا ہوا اور نوعی کیا سو واضح ہو کہ شخصی میں وضع اور موضوع لہ دونوں خاص ہوتے ہیں جیسا کہ زید کا لفظ ذات زید کے لئے موضوع ہے اب اسمیں وضع اور موضوع لہ بھی خاص ہیں۔ پس یہ وضع شخصی ہوا یا لفظ دیوار کا خاص ایک دیوار کے لئے موضوع ہے یہ بھی شخصی ہوگا اور اینٹ کا دیوار میں داخل ہونا بھی اسی شخصی وضع کے ذریعہ سے ہو۔ کیونکہ وہ دیوار میں جزء کیطرح داخل ہے اور وہ دیوار موضوع لہ بوضع شخصی ہے۔ وضع نوعی وہ ہے جو حضرت مصنف علام مدظلہم نے خود بالتصریح فرمایا ہے غرضکہ جس طرز پہ جناب فرماتے ہیں اس طریق پر جب وضع ہو تو وہ نوعی کہلاتا ہے ۱۲ منہ مترجم

والثانی یدخول جزء المشتق فی المشتق فان وضع المشتقات وضع نوعی کما یقال
کل لفظ علی وزن مفعول فهو یدل علی من وقع علیه الفعل فاذا لم یکن یدل کون المعنی
معنی حقیقیاً حال کونه مرکبا من تحقق کل جزء من اجزائه ویکفی فی ارتفاعه وتحقق المعنی
المجازی انتفاء واحد من تلك الاجزاء لانه کما ینتفی الکل بانتفاء جمیع الاجزاء ینتفی بواحد
منها وذلك ظاهر وهذا التحقیق یدل دلالة واضحة بینة علی ان المتوفی هو الاخذ
بالوفاء والتمام وذلك معناه الحقیقی لتحقق جمیع ما لا بد منه للمعنی الحقیقی بهذا اللفظ من
مدلول الوفاء والاخذ ونسبته الی الفاعل ففی قوله تعالی خطابا لعیسی بن مریم علیه السلام
یٰعیسیٰ انی متوفیك ورافعك یکون معناه علی الحقیقة ان یا عیسیٰ انی آخذك بالکلیة
وبالتمام وکذا المراد فی قوله تعالی حکایة عنه فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم هو الاخذ بالتمام

دوسرے کی مثال مشتق کی جزو کا اسمیں داخل ہونا۔ کیونکہ یہ دخول بوضع نوعی ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ہر لفظ جو مفعول کے وزن پر ہو وہ اسپر دلالت کریگا کہ جس پر فعل واقع ہوا ہو۔ لہذا حقیقی معنے جب کہ مرکب ہو وہ تا وقتیکہ اسمیں تمام اجزا متحقق ہولیں حقیقی نہیں کہلائیگا۔ اسکے مرتفع ہو جانے۔ مجازی بننے کے لئے ایک جزو کا بھی انتفا کافی ہے۔ کیونکہ کل کا انتفا جیسے کہ تمام اجزا کے منتفی اور معدوم ہو جانے سے ہو جاتا ہے ویسے ہی اسکا انتفا کسی ایک جزو کے نابود ہو جانے سے ہوتا ہے۔" اب دیکھو کہ یہ تحقیق سابق واضح طور پر اسپر دلالت کرتی ہے۔ کہ متوفی کا معنے "پورے طور پر لینے والا ہے" + لاغیر۔ یہی متوفے کا حقیقی معنے ہے کیوں نہ ہو کہ جس کی حقیقی ہونے کو ضرورت ہے وہ پایا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ایک وفا۔ دوم لے لینا۔ سوم فاعل کیطرف نسبت۔

پس آیت (یٰعیسیٰ انی متوفیك) جس کا مضمون یہ ہے۔ کہ "اے عیسٰے میں تیرا
متوفے اور اپنی طرف تیرا اٹھا لیجانے والا ہوں" کہ اے مسیح میں تجھکو
پورے طور پر لینے والا ہوں۔ ایسا ہی آیت فلما توفیتنی
الخ سے بھی پورا اور تمام کا لے لینا مراد ہے
لیکن مسیح علیہ السلام پر جو پورا اور
تماماً مقبوض ہونا

وذا لا یوجد الا فی الرفع الجسدی لانحصار الاخذ بتمامه فی هذا الرفع دون الرفع الروحی
لانه اخذه ببعضه دون کله فاطلاق التوفی مع کونه محمولا علی الحقیقة علی الرفع
الروحی غیر جائز نعم لو ارید بالتوفی اخذ الشئ مجردا عن معنی الوفاء والتمام بان یکون
عدم الوفاء ماخوذا فیه او بان لا یکون الوفاء معتبرا فیه سواء قارنه او لم یقارنه و
اعتبار عدم الوفاء یغائر عدم اعتبار الوفاء فحینئذ یصح اطلاقه علی الرفع الروحی لکن
علی الاول یکون اطلاقه علیه من قبیل اطلاق الکل علی الجزء وعلی الثانی من قبیل
عموم المجاز والفرق بین اعتبار عدم الشئ وبین عدم اعتبار ذلک الشئ انما هو بالخصوص
والعموم وکل من هذین الاطلاقین اطلاق مجازی لا یصار الیه الا بقرینة صارفة عن ارادة
معناه الحقیقی الاصلی والقرینة غیر موجودة فلابد من ان یحمل علی الحقیقة دون المجاز
ومن المعلوم ان مدار کون اللفظ حقیقة ومجازا انما هو الوضع مطلقا اعم من ان یکون

صادق آویگا تب ہی ہو کہ وہ بجسدہٖ اٹھائے گئے ہوں نہ اگر انکی روح ہی صرف اٹھائی گئی ہو اسلئے کہ خالی روح کا اٹھایا جانا تو تمام پر قبضہ نہیں بلکہ ایک حصہ پر قبضہ ہوا پھر باینہمہ اگر کہو گے کہ توفی کا اطلاق رفع روحی پر حقیقی ہے تو یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر یوں کہدیں کہ توفی کا معنے لے لینا ہے مگر اس طرح پر کہ وفا سے مجرد ہے خواہ یوں کہ وفا کا عدم اسمیں اعتبار کیا گیا یا وفا اسمیں معتبر نہیں پھر وفا اسکو کبھی مقارن ہو۔ یا کبھی مقارن نہ ہوتا ہو۔ وفا کے عدم کا اعتبار ایک چیز ہے۔ وفا کے اعتبار کا عدم اور چیز ہے؛ بنابراں توفی کا اطلاق رفع روحی پر صحیح ہوگا۔ مگر پہلی صورت میں کل کا اطلاق جزء پر ہوا۔ دوسری صورت میں عموم مجاز ہوگا[1]؛ رہی یہ بات کہ کسی چیز کے عدم کے اعتبار اور اسچیز کے اعتبار کے عدم میں کیا فرق ہے سو یہ فرق ہے کہ پہلا خاص دوسرا عام ہے جز جو کچھ ہے سو ہے۔ مگر اسمیں شبہ نہیں کہ دونوں تقدیر پر یہ معنے مجازی ہے نہ حقیقی لیکن مجازی لے لینا تو تب ہی جائز ہوتا ہے کہ جب کوئی ایسا قرینہ موجود ہو کہ اسکی ہوتے حقیقی لینا جائز نہو۔ ہاں یہاں اس قسم کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ پھر کہو کہ یہ مجازی لے لینا کیونکر درست ہوگا۔ لہذا حقیقی ہی مراد لینا لازم ہوا نہ مجازی۔ یہ ظاہر ہے کہ حقیقی و مجازی کا مدار وضع ہے۔ خواہ وہ

---

[1] عموم مجاز اسکو کہتے ہیں کہ لفظ سے ایک ایسا معنے مراد لیا جاوے کہ وہ حقیقی اور مجازی کو شامل ہو جیسا کہ حضرت مصنف تقدس مآب مدظلہم نے فرمایا ہے۔ کہ اسکو وفا مقارن ہو یا نہ۔ اب جہاں پر مقارن ہوگا وہ حقیقی اور جہاں پر مقارن نہیں ہوگا وہ مجازی کہلائیگا۔ تو یہی عموم کا معنے ہے ۱۲ مترجم

Marfat.com

الوضع وضعاً شخصیاً او وضعاً نوعیاً فان استعمل اللفظ فی المعنی الموضوع لہ الشخصی او
النوعی کان حقیقۃ والا کان مجازاً والمشتقات لترکبہا من مادۃ وھیئۃ موضوعتین
اولٰہما بالوضع الشخصی وثانیتہما بالوضع النوعی تکون دلالتہا علی معنی اصل المبدأ
بمادتہا بالوضع الشخصی وعلی مفہومہا الترکیبی بوضعہا النوعی وبکونہا مرکبۃ بہذہ
الصفۃ لابد لکونہا حقیقۃ من تحقق کلا الوضعین ولا یکفیہا فی کونہا حقیقۃ تحقق
احدہما فقط بخلاف مجازیتہا فانہا تتصور بانحاء ثلثۃ بانتفاء الوضع الشخصی فقط کمجازیۃ
الناطق فی معنی الدال بصرف لفظ النطق الموضوع بالوضع الشخصی عن معناہ الحقیقی الی معنی
الدلالۃ وبانتفاء الوضع النوعی فقط کاطلاق لفظ القائلۃ علی المقولۃ مع بقاء اصل المعنی المصدری
وبانتفاء کلیہما کما لو اطلق الناطق واریدبہ المدلول فلفظ مُتَوَفّیک اولفظ تَوَفَّیتَنِی

نوعی ہوگا۔ یا شخصی۔ بہرحال لفظ کو جب ان دونوں میں کسی وضعی معنے میں استعمال کریں گے۔ تو وہ
حقیقی استعمال ہوگا۔ ورنہ مجازاً ہوگا۔ پس مشتقات جو ایسے مادہ اور ہیئت ترکیبی سے کہ انمیں سے پہلا بوضع
شخصی موضوع ہے۔ دوسرا بوضع نوعی "مرکب ہیں۔ بہ سبب اس ترکیب کے مبدء پر باعتبار مادہ بوضع شخصی اور
معنی ترکیبی پر بوضع نوعی" دال ہیں۔ نیز جب اس طرز پر ہونگے تو استعمال حقیقی اسیصورت میں ہوگا۔ کہ دونوں
وضع متحقق ہوں نہ صرف ایک ہی متحقق ہو تو پہر بھی حقیقی ہی ہوگا۔ البتہ مجاز تین صورتوں میں پایا
جاسکتا ہے۔ ایک جبکہ وضع شخصی نہ ہے۔ دیکھو ناطق اسکے مبدٔ کا موضوع لہ در اصل بوضع شخصی اور اک
کلیات وجزئیات ہیں جب اسی دال مراد لینگے تو یہ استعمال مجازی ہوگا۔ ایسا ہی جب وضع نوعی کو اٹھا
دیویں۔ دیکھو قائلہ جب کہ اس سے مقولہ مقصود ہو" گو اسمیں قول جو اسکا مصدر ہے اپنے اصل معنے پر
دال ہے۔ مگر باعتبار اسکے کہ اسمیں وضع نوعی منتفی ہوا ہے مجازی ہوگا۔ اگر دونوں کو اٹھا دیویں نیز مجازی
ہوگا۔ دیکھو ناطق سے جسحالت میں مدلول مراد رکھ لینگے۔ کیونکہ ناطق "مدلول" کے لئے نہ تو بوضع نوعی اور نہ
نہ بوضع شخصی موضوع ہے اسلئے مستفسر ہے کہ لفظ متوفیک توفیتنی

لہ دیکھو متوفی مشتق ہے اسکا اصل ماخذ وفا ہے اور یہ لفظ تو اپنے معنے پر بوضع شخصی دال ہے۔ رہی ہیئت جو حروف
کے اسمیں ملجانے سے پیدا ہوگی ہے وہ اپنے معنی مرکب پر بوضع نوعی دال ہے جیسا کہ کہیں ہر لفظ جو تفعل کے وزن پر ہو
وہ تین چیزوں کے مجموعہ پر دال ہوگا ایک ماخذ دوم باب تفعل سوم نسبت الفاعل۔ ظاہر ہے کہ متوفی کا یہی مجموعہ ہے۔ تفعل

ان حمل علی معنی الاخذ بالتمام الذی لا یکون الا برفع الروح والجسد یکون حقیقة لتحقق مدار الحقیقة من کلا الوضعین وان حمل علی معنی لم یندرج فیه معنی الاخذ بالتمام سواء جرد عنہ بان یکون عدم قیدا للاخذ وبان یرسل الاخذ ولم یعتبر معه قید التمام وجد فیه التمام او لم یوجد یکون مجازا لصرفه عن معناه الموضوع له بالوضع الشخصی ومن المقررات والمسلمات ان المصیر الی المجاز بلا قرینة صارفة غیر جائز فتعین المصیر الی الحمل علی الحقیقة ودعوی تبادر التوفی فی معنی الاماتة وجعل التبادر قرینة لکونه حقیقة فی الاماتة غیر مسلم لانه لو ارید بتبادره فی هذا المعنی التبادر مع عدم القرینة فذلک اول النزاع ولم یوجد فی القرآن فی موضع من موارد هذا اللفظ استعماله فی هذا المعنی بغیر قرینة وان ارید به التبادر مع القرینة فذاک مسلم ولکن علامة الحقیقة هی تبادره مع العراء عن القرینة لا مع انضمامها والا یکون کل مجاز مستعمل حقیقة فلم یصح

انکو کسی معنی پر محمول کریں گے۔ کونسا معنے انسے مراد لیں گے۔ اگر پوری طور پر لے لینا مراد ہے تو یہ روح وجسد دونوں کے اٹھائے جانے کے بغیر نہیں ہو سکتا لیکن یہ استعمال حقیقی ہو گا۔ کیونکہ حقیقت کا مدار وضع شخصی اور نوعی پر ہے سو وہ پایا گیا ہے۔ اگر ہمیں اخذ کو مراد رکھینگے اور تمامیت کی قید مجرد سمجھینگے خواہ یوں کہ اخذ کے لئے تمامیت کا عدم قید ہے یا مہمل طور پر لینگے یعنے اسکے ساتھ تمامیت کی قید لگی ہو یا نہ تو ان صورتوں میں یہ استعمال مجازی ہو گا۔ اسلئے ان تقدیر و نیز لفظ کا موضوع لہ بوضع شخصی سے ہٹانا متحقق ہو گا لیکن یہ بات مسلمات سے ہے کہ حقیقی معنے کو قرینہ صارفہ کے بغیر چھوڑ کر مجازی کو اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اور قرینہ یہاں پر موجود نہیں ہے۔ پس لامحالہ حقیقی معنے ہی لینا پڑے گا۔ ہاں یہ جو تم کہتے ہو متوفی سے مارنا ہی سریع الفہم ہے۔ سریع الفہم ہونا ہی قرینہ ہے" نیز مسلم نہیں ہے اس لئے کہ یا تو کہو گے کہ توفّی سے بلا قرینہ مارنا مرنا متبادر ہے سو یہ تو پہلا ہی جھگڑا ہے۔ قرآن شریف میں تو کہیں بھی توَفّی اور مُتَوَفّی کا لفظ مرنے مارنے میں بلا قرینہ مستعمل نہیں ہوا ہے۔ یا کہو گے کہ نہیں توَفّی اور مُتَوَفّی سے مرنا۔ مارنا بمعہ قرینہ مُتبادر ہے۔ البتہ یہ مانا۔ لیکن حقیقی کی نشانی تو یہ ہے۔ کہ وہ بلا قرینہ ہی مُتبادر ہو۔ نہ بمعہ قرینہ ورنہ سب مجازات حقیقی ہی بنجائینگے لہذا لفظ کی تقسیم حقیقت و مجاز کی طرف صحیح نہ ہو گی۔ کیونکہ

تقسیم اللفظ الی الحقیقۃ والمجاز لعدم امکان وجود المجاز علیٰ هٰذا التقدیر وانما
ادعینا ان لفظ التوفی حیث وقع فی القراٰن بمعنی الاماتۃ فانّما وقع مع القرینۃ لابدونها
فان حمل التوفی علی الموت فی قولہ تعالیٰ ثمّ یتوفٰهن الموت بقرینۃ اسنادہ الی الموت
وفی قولہ عزّوجلّ قل یتوفّٰکم ملک الموت الذی وکّل بکم وفی انّ الّذین توفّٰهم الملٰئکۃ
ظالمی انفسہم وفی تتوفّٰهم الملائکۃ ظالمی انفسہم وفی تتوفّٰهم الملٰئکۃ طیّبین وفی توفّتہ
رُسُلنا وفی رسلنا یتوفّونہم وفی یتوفّی الّذین کفروا الملٰئکۃ وفی قولہ تعالیٰ فکیف اذا توفّتہم
الملٰئکۃ یضربون وجوہہم اسنادہ الی الملک الموکّل فی الاوّل وفی الباقیۃ من اقوالہ
الشریفۃ اسنادہ الی الملٰئکۃ القابضۃ للارواح قرینۃ صارفۃ وفی قولہ تعالیٰ وتوفّنا مع
الابرار سوال المعیۃ بالابرار وفی قولہ عزّوجلّ توفّنا مُسلمین سوال حُسن الخاتمۃ قرینۃ

بنابراں مذہب کے تو مجاز ممکن بھی نہیں ہے۔ بیشک یہ ہمارا دعویٰ کہ قرآن شریف میں کہیں بھی توفّی کا
لفظ بلا قرینہ موت میں مستعمل نہیں کیا گیا ہے۔ ثبوت طلب ہے لیکن ثبوت تو موجود ہے۔ دیکھو یہ آیت۔
(یتوفّٰهنّ الموت) یعنے وہ مرتے ہیں لیکن یہاں موت کا قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ توفّی کو موت کی
طرف اسناد کیگئی ہے۔ نیز اور بھی بہت سے آیتیں ہیں کہ جنمیں توفّے سے موت ہی مراد ہے۔ مگر ہر ایک میں
موت کا قرینہ موجود ہے (دیکھو یتوفّٰکم الموت۔ انّ الّذین توفّٰهم الملائکۃ تتوفّٰهُم الملائکۃ۔ تتوفّٰهم الملائکۃ
طیّبین۔ توفّتہ رسلنا۔ رسلنا یتوفّونہم۔ یتوفّی الّذین کفروا الملائکۃ۔ فکیف اذا توفّتہم الملائکۃ۔ یعنی تمکو ملک الموت
موت کا مزہ چکھاویگا۔ وہ لوگ کہ ملائکۃ الموت نے انکو موت کا مزہ چکھایا۔ موت کا ذائقہ انکو ملائکۃ الموت چکھائیں گے
انکو ملائکۃ الموت پاکیزگی کیحالت میں موت کا مزہ چکھائینگے۔ ہمارے فرستادوں نے انکو مارا۔ ہمارے فرستادے یعنی ملک الموت انکو مارینگے
کافروں کو ملائکۃ الموت ماریں گے۔ کیا ہوگا جسوقت کہ انکو ملائکۃ الموت مارینگے۔ اب دیکھو ان سب آیتوں میں بلا قرینہ توفّی سے موت
نہیں لیگئی۔ دیکھئے قرائن۔ پہلی آیت میں ملک الموت کیطرف توفّی مسند ہے اور یہی قرینہ ہے اور باقیوں میں قابض
ارواح فرشتوں کیطرف توفّی کو اسناد ہے۔ اور یہی قرینہ موت ہے۔ ایسا ہی اس آیت میں (وتوفّنا مع
الابرار) جسکا معنے یہ ہے کہ ہمکو مار کر نیکوں کے زمرہ میں داخل کر" اسمیں ابرار کی ساتھ کی التجا قرینہ موت ہے۔
آیت (توفّنا مُسلمین) کہ اے خداوند تعالے ہمکو اسلام پر مارنا" میں حُسن خاتمہ کا سوال قرینہ موت ہے۔

آیت

Marfat.com

كذالك وفى فاما نرينك بعض الذى نعدہم او نتوفينك فالينا يرجعون قرينة التقابل اذ ما يعتبر فى احد المتقابلين يعتبر عدمہا فى المتقابل الآخر كما اعتبر الانتقال التدريجى فى الحركة وجوداً وعدماً فى ضدها اعنى السكون ولا ريب ان الحيوٰة معتبرة فى نرينك لان الاراءة بدون حيوٰة الرائى غير متصور فيعتبر عدمہا فى مقابلہ وهو نتوفينك وفى قولہ تعالےٰ والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشراً قرينتان احدهما ويذرون ازواجاً والاخرى يتربصن وكذا فى قولہ تعالىٰ والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً وصية لازواجهم الآية قرينتان اولهما هى اولهما فى الآية السابقة وثانيتهما لزوم الوصية وكذا التقابل فى ومنكم من يتوفى وقيد حين موتها فى قولہ تعالىٰ الله يتوفى الانفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها قرينة على المعنے المجازى وفى هذه الآية الاماتة و

(فاما نرينك بعض الذى نعدهم او نتوفينك فالينا يرجعون) یعنے یا رسول اکرمؐ یا تو ہم آپکو وہ بعض امور کہ جنکا ہم کافروں کو وعدہ دیتے ہیں دکہا وینگے یا موت کا ذائقہ آپکو چکہائیں گے پہر ہماری طرف لوٹینگے“ اسمیں مقابلہ قرینہ ہے کیونکہ اگر ایک میں متقابلین میں سے کسی چیز کا وجود معتبر ہو. تو دوسرے میں اس چیز کا عدم معتبر ہوتا ہے. کیا جانتے نہیں کہ حرکت میں جو سکون کی ضد ہے. تدریج منتقل ہونا معتبر ہے اور اسکے ضد میں یعنی سکون میں اس انتقال کا عدم معتبر ہے. پس چونکہ آیت مذکورہ میں دکہانے (ارائت) کا مقابل نتوفينك (ہم تجہکو ماریں گے) مقرر کیا گیا ہے ا رائت میں زندگی کا وجود معتبر ہے. تو بالضرور اسکے مقابل یعنے نتوفينك میں اس زندگی کا عدم معتبر ہو اور نہ تقابل کیسا ہوگا. یہی قرینہ موت ہے اسیطرح جو آیات ذیل میں قرائن موجود ہیں (دیکھو والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً وصية لازواجهم. والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجاً يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشراً) یعنے جو لوگ تم میں سے بیبیاں چھوڑ مریں. تو وہ بیبیاں چار مہینے اور دس دن عدة الموت کاٹیں. جو لوگ تم میں سے بیبیاں چھوڑ مریں تو انپر ازواج کے لئے وصیت کرنا لازم ہے“ اب دیکھئے دوسری میں موت کے دو قرینہ ہیں ایک بیبیوں کو چھوڑ مرنا. دوم عدت الموت کا کاٹنا پہلی میں بہی دو قرینہ ہیں ایک بیبیونکو چھوڑ مرنا دوسرا وصیت کا لازم ہونا. آیت (ومنكم من يتوفى) میں بہی تقابل قرینہ ہے. رہی آیت (الله يتوفى الانفس حين موتها والتى لم تمت فى منامها) یعنے خداوند تعالى ارواحکو موت کیوقت میں لے لیتا ہے“ ملخصاً اسمیں حین موتها قرینہ ہے“ یاد رکہو کہ اس آیت میں مارنا. سولانا. دونوں مراد ہیں

والاماتة كلتاهما مرادتان لا بطريق الجمع بين الحقيقة والمجاز لما تقرر من امتناعه في الاصول ولانه ليس شيء من الاماتة والانامة معنى حقيقيا للفظ التوفي حتى يلزم ذلك من اجتماعه مع الآخر ولا بطريق عموم المجاز كما في قول القائل لا يضع قدمه في دار فلان فانه يحنث سواء دخل من غير وضع القدم كما اذا دخل راكبا او مع الوضع كما اذا دخل ماشيا حافيا وسواء دخل في الدار المملوكة لفلان او الدار المستعارة او المستاجرة لفلان ولا يختص هذا القول بمعناه الحقيقي حتى ينحصر حنثه في الدخول حافيا وفي الدخول في الدار المملوكة لفلان ولا بالمعنى المجازي حتى ينحصر حنثه في الدخول في غير الدار المملوكة لفلان وفي الدخول غير حاف بل يعم بالدخول مطلقا في دار فلان بان كانت مسكونة له سواء كانت تلك السكونة بالملك او بالعارية او الاجارة وليس ذلك الا على سبيل ارادة معنى اعم يشتمل على المعنى الحقيقي والمجازي كليهما وهذا هو عموم المجاز وارادة كليهما

مگر نہ اسطرح پر کہ اس سے حقیقی و مجازی دونوں اکٹھے مراد لئے جاویں کیونکہ حقیقت و مجاز کا اجتماع ناجائز ہے۔ دیکھو کتب اصول وغیرہ۔ دوم اسلئے بھی یہاں جمع نہیں ہے کہ مارنا یا سولانا اسمیں سے کوئی ایک بھی توفی کا حقیقی معنے نہیں ہے اسواسطے بہ جمع لازم نہیں آتا اور نہ توفی سے مارنا اور سولانا عموم مجاز کے طور پر مراد ہے جیساکہ کوئی شخص قسم کہاوے کہ میں فلاں مکان میں اپنا قدم نہیں دہرونگا۔ اب یہ شخص خواہ گھوڑے پر چڑہکر اسمیں داخل ہو۔ یا اسطرح پر جیساکہ کہا تہا۔ یا وہ مکان اسی کی ملک ہو۔ یا کرایہ پر۔ یا استعارہ کے طور پر ہو۔ بہرحال حانث ہوگا۔ یہ قول حقیقی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا ہے۔

پس اس کا حانث ہونا اسی پر موقوف نہیں ہوگا۔ کہ وہ گھر فلاں کا مملوک ہی ہو۔ اور اسمیں ننگے پاؤں ہی داخل ہو بلکہ بہر حال حانث ہوگا۔ ایسا ہی اس کا قول مجازی معنے کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتا ہے تا کہ کہا جا تا کہ وہ جب فلانے کے غیر مملوک مکان میں۔ یا جوتا پہنکے ہی یا سواری پر ہی چڑھکر داخل ہوگا۔ تو حانث ہوگا نہیں تو نہیں بلکہ بہر حال حانث ہوگا۔ خواہ حقیقی معنے پایا جاوے یا مجازی۔ چنانچہ گذرا۔ آیت مذکورہ میں

توفے سے سولانا۔ مارنا جبکہ بطریق عموم

مجاز بھی نہیں۔ تو لامحالہ

لا بهذا الطريق لعدم اعتبار معنى عام يشتمل على المعنى الحقيقي من الاخذ بالكلية والاخذ بالبعضية فاذن كونهما مرادتين ليس الا من حيث ارادة الاخذ بالبعضية بان يراد بالتوفي سلب تعلق الروح بالبدن تعلقا يوجب الادراك الاحساسي او تعلقا يوجب الحيوٰة فان كان الاول مسلوبا بدون الثاني فهٰذا هو الانامة وان كان الثاني ومن لوازمه كونه متضمنا لسلب الاول فهٰذا هو الاماتة ودوران ذلك التعلق بين الاحساس وبين الحيوٰة ليس كدوران الشئ بين النقيضين بل كدورانه بين امرين يكون احدهما اخص والاخر اعم ولذا امتنع وجود التعلق الاول بدون الثاني ويقال وجوبا كل حساس حي بدون عكس كلي فلا تنافي في اجتماع الاحساس مع الحيوٰة في الحيوان بل في ارتفاعهما عنه وتضمن رفع التعلق الثاني لرفع التعلق الاول لا يقتضي نفي سماع الاموات اذ سماعهم الذي نحن مثبتوه هو بمعنى ادراك ارواحهم وذلك ثابت بالادلة القطعية لا مجال لاحد في انكاره وهٰذا لا يرتفع في ضمن ارتفاع الحيوٰة وما يرتفع في ضمن

اس ہی کہہ لے لینا مراد ہوگا۔ مثلاً جب توفی سے سولانا مقصود ہو تو اسصورت میں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن حساس تہا وہ تعلق مسلوب کیا گیا تو بلاشبہ یہی سولانا ہے اور اگر توفی سے مارنا مراد ہو چنانچہ ایساہی ہے تو یوں کہینگے کہ روح کے تعلق سے جو بدن زندہ تہا وہ تعلق سلب کیا گیا ہے۔ بصورت ثانی بلا شک اسکو مارنا کہا جائیگا۔ ہاں دوسری میں حس کا سلب بھی معتبر ہے جیسا کہ زندگی کا۔ مگر لیکن یہ خیال رکہنا کہ یہ تعلق حس اور زندگی کے درمیان بطور تردید دائر ہے جسطرح کہ کوئی امر خاص و عام کے درمیان مردد ہوتا ہے۔ یہ نہ سمجہنا کہ یہ تردد اسطرز پر ہے کہ جسطرح شی نقیضین کے درمیان مردد ہے ایسا نہیں وہ تعلق جس سے احساس کا وجود ہوتا ہے دوسرے تعلق کے بغیر (یعنے وہ تعلق کہ جس سے زندگی ہوتی ہے) موجود نہیں ہوتا پس یوں کہنا کہ "ہر حساس زندہ ہے" صادق ہے اور یہ کہنا کہ ہر زندہ حساس ہے غلط ہے کیونکہ بعض زندہ (جیسے سوئے ہوئے) حساس نہیں ہیں۔ سوال آپکی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ مردہ میں حس باقی نہیں رہتا ہے اسلئے لازم آیا کہ وہ سنتے بھی نہوں۔ الجواب[1] ہماری تقریر سے مردونکا نہ سننا ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ انکا سننا بمعنے ادراک روحانی ہے چنانچہ ادلہ قاطعہ شرعیہ سے ثابت ہوا ہے۔ اس قسم کا سماع مرنے سے مرتفع نہیں ہوتا ہے البتہ مرنیکے ضمن میں

[1] بعض لوگ حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت صاحب فتح القدیر وغیرہ محققین حنفیہ میں سے فرماتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے ہیں تو اے حنفیو تم کیوں سماع موتے کے قائل ہو حضرت مصنف فضیلت مآب نے اسکو بھی رد کیا کہ صاحب فتح وغیرہ مطلقاً سماع موتے کے منکر نہیں ہیں بلکہ قوت جسمانیہ سے سننے کے منکر ہیں نہ کہ ادراک روحانی سے بھی انکاری ہیں ۱۲ مترجم

ارتفاعهما وهو السماع العادی الذی لا یمکن الا بقوة جسمانیة عصبانیة ولا یقول احد
بتحققه مع انتفاء الحیوٰة فالسماع الثابت بالادلة الشرعیة والعقلیة غیر مرتفع وما هو مرتفع
غیر ثابت وبهذا یظهر ان التقابل الذی بین الموت والحیوٰة هو التقابل بالتضاد لکون کلیهما
وجودیین فان کون الحیوٰة امرًا وجودیًا ظاهر واما الموت فلا نه اثر للاماتة والاماتة
لما کانت عبارة عن قطع تعلق الروح بالبدن وایقاع الفصل بینهما وتخریب البدن کان
الموت الذی هو مطاوعها عبارة عن انقطاع ذلک التعلق والانفصال والتخریب وکل
ذلک وجودی ویدل علی کونه وجودیًا قوله تعالیٰ خلق الموت والحیوٰة لان الموت لو کان
عدمیًا لما تعلق به الخلق اذ لا یقال للعدمی انه مخلوق فان الخلق هو الجعل والایجاد و
عدمیة عدم الحیوٰة عدمًا ثابتًا اللازم للموت لا تصیر الموت عدمیًا لظهور عدم استلزام
عدمیة اللازم عدمیة الملزوم الا تری الی الفلک فانه ملزوم لعدم السکون عند الفلاسفة

وہ سماع جو قوت جسمانیہ کے ذریعہ سے ہے مرتفع ہو جاتا ہے لیکن اسطرز کا کہ مردہ بقوۃ جسمانی سنتے ہیں"
کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہذا جو مرتفع ہے وہ ثابت نہیں۔ جو ثابت ہے وہ ناپیدا نہیں۔ اسی تقریر سے
یہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ موت وحیوٰۃ کے درمیان ضدیت کے طور پر مقابلہ ہے اسلئے کہ یہ دونوں وجودی ہیں۔
حیوٰۃ کا وجودی ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ رہی موت سو وہ بھی وجودی ہے دلیل یہ ہے کہ مارنا اسکو کہتے
ہیں کہ بدن سے روح کا تعلق جس سے بدنکی زندگی ہوتی ہے" اوٹھا دیا جاوے۔ اسکا اثر لازم مرنا ہے
چونکہ مرنا اس تعلق کا منقطع ہونا ہے۔ تو یہ بلاشبہ وجودی ہے نیز اسکے وجودی ہونے پر یہ دلیل ہے
کہ باریتعالی ارشاد فرماتا ہے کہ ہمنے موت کو پیدا کیا ہے" یہ صریح طور پر دلالت کرتی ہے کہ یہ وجودی ہے
اسلئے کہ موت اگر عدمی ہوتی تو خداوند تعالے کا فعل اسکے ساتھ کیونکر متعلق ہوتا۔ کیا کبھی کہا جاتا ہے
کہ فلاں امر عدمی پیدا کیا گیا ہے نہیں کیونکہ پیدا کرنے کا معنے موجود کر دینا ہے۔ **سوال**
کیوں جائز نہیں کہ باعتبار لازم کے عدمی ہو کیا دیکھتے نہیں کہ عدم الحیوٰۃ اسکو لازم ہے۔ پس اس کا
عدمی ہونا موت کے عدمی ہونے کو مستلزم ہے۔ **جواب** کہ یہ استلزام غلط ہے دیکھو عدم السکون
آسمان کو عند الفلاسفہ لازم ہے۔ آسمان معدوم نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس
اور بھی بہت مواقع ہیں کہ لازم کی عدمیت ملزوم کی

Marfat.com

ولا یلزم یکون لازمہ ھٰذا عدمیا کون الفلك عدمیا ونظائرہ اکثر من ان تحصر
وھٰذا ما قلنا من ان التوفی لیس حقیقۃ فی الاماتۃ لان الاماتۃ لا یوجد فیہا الاخذ
بالتمام بل الاخذ فی الجملۃ بخلع صورۃ نوعیۃ عن الجسم الحیوانی ولبس اخرٰی مثلہما و
بفصل الروح عن البدن فباعتبار وجوب حمل اللفظ علی الحقیقۃ یکون قولہ عزوجل یٰعیسٰی
اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ دلیلا لنا لا لہ ویؤیدہ العطف بقولہ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ اذ المراد بہ الرفع الجسمانی
والا فما وجہ تخصیصہ بعیسٰی علیہ السلام لعموم الرفع الروحانی کل مومن وحملہ علی
ھٰذا الرفع العام مستدلاً بقولہ عزوجل یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم
درجات غیر صحیح لان المذکور فی تلك الاٰیۃ ھو رفع المسیح نفسہ وفی ھٰذہ الاٰیۃ
رفع الدرجات ولا یخفی الفرق بین رفع الشئ نفسہ وبین رفع درجاتہ کما ھو بیّن قولك
رفعت زیدًا وبین رفعت زیدًا ثوبہ او بیتہ او شیئًا اٰخر مما یتعلق بہ ومع ثبوت التغائر

عدمیّت کو نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ آیت مذکورہ میں جو توفّی ہے وہ مارنے میں حقیقی طور پر مستعمل نہیں
ہے اسلئے کہ مار دینے میں پوری طور پر لے لینا نہیں پایا جاتا ہے بلکہ مار دینے میں صرف بدن سے
روح الگ کر کے اٹھائی جاتی ہے اور یہ گویا ایک حصّہ کا لے لینا ہے نہ پوری شئے کا لے لینا لیکن لفظ کا
بصورتِ عدم قرینہ حقیقی معنے پر محمول کرنا جبکہ واجب ہوا تو آیت (یا عیسٰے انی متوفیک الخ) ہمارے
لئے دلیل ہوئی نہ کا دیانیوں کے لئے۔ اسکا ہمارے لئے دلیل ہونے کو رافعک الیّ کا اسپر معطوف ہونا
قوّت بخشتا ہے۔ اسواسطے کہ اس رفع سے رفع جسمانی مراد ہے ورنہ خصکر مسیح علیہ السّلام سے کیا اس
رفع روحی کو خصوصیت تھی جو اس آیت میں انکی روح کا مرفوع ہونا بیان کیا جاتا ہے۔ سوال چونکہ
خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ خدا ایمان داروں۔ اہل علم کے درجات کو (مرفوع) بلند کرتا ہے تو اس سے سمجھا جاتا
ہے۔ کہ خود ایماندار اور اہل علم مرفوع نہیں ہوتے ہیں بلکہ انکے درجات مرفوع اور بلند کئے جاتے ہیں۔ پس رفع مسیح سے
بھی خود مسیح کا رفع مراد نہیں ہے بلکہ رفع روحی الجواب دلیل مفید مطلب نہیں ہے۔ کیونکہ آیت سابقہ میں
خود مسیح علیہ السّلام کا رفع مذکور ہے اور اس آیت میں رفع درجات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ رفع درجات اور خود
شئے کے مرفوع ہونے میں غیریت ہے اسلئے رفع درجات سے رفع غیر جسمانی ثابت نہیں ہوگا۔ دیکھو کہا جاتا ہے کہ میں نے زید کو
اُٹھا لیا ہے یا میں نے زید کا کپڑا۔ یا اور کچھ جسے زید کے ساتھ تعلّق ہو۔ اٹھا لیا ہے۔ اب اس صورت میں

Marfat.com

بين الرفعين لا يتم التقريب فعلى هذا يقال ان من نودى وخوطب بالضمائر هو عيسى عليه السلام فيكون المنادى والمتوفى والمرفوع والمطهر من الكفرة وفائق الاتباع اياه عليه السلام فيتركب القياس من الشكل الاول من ان عيسىٰ هو المصداق للمتوفى المفهوم من الآية والمصداق له هو المصداق لصيغة من وقع عليه فعل الرفع فينتج ان عيسىٰ هو المصداق للمرفوع وهذا عين ما ادعيناه من ان المرفوع هو شخصه لا روحه فقط وايضاً لو كان روح عيسى مرفوعاً دون جسده الاطهر لوقع جسده فى ايدى الكفرة ولحصل مرادهم ولاهانوه فلم يصح قوله تعالى ومطهرك من الذين كفروا فان الاماتة ليس تخليصاً وتطهيراً من الاعداء بل تحصيلاً لمرادهم وايصالاً لهم الى مناهم وغاية متمناهم فهل يصح لمن له فهم مستقيم وعقل سليم ان يفهم من الرفع فى هذه الآية الرفع الروحانى وهل لا يعد ذلك المستنبط من ارباب الجهالة ولعمرى ان هذا الشئ عجيب يتعجب منه كل لبيب واستدل ايضاً بقوله تعالى

زید کے کپڑے کے اٹھائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں پر بھی خود زید کا رفع مراد نہ ہو بلکہ کپڑے کا مثلاً اسلئے کہ خود شئے کا رفع اور ہے۔ اسکے متعلق کا اور ہے۔ بناءً علیہ ثابت ہوا کہ آیت (یا عیسٰی انی متوفیک الخ) میں مناد اور ضمائر کا مرجع خود مسیح علیہ السلام ہے نہ خالی روح جب خود مسیح ع ہی مناد اور مرجع ہے تو متوفی۔ مرفوع۔ مطہر۔ فائق الاتباع بھی آپ ہی ٹھہرئیے نہ صرف روح۔" اب ہم اس سے پہلی شکل بنائیں گے مسیح علیہ السلام پر بھی متوفی کا مفہوم صادق آتا ہے۔ جبپر یہ صادق ہے اسی پر ہی مرفوع کا مفہوم بھی صادق ہے نتیجہ۔ مسیح علیہ السلام ہی پر مرفوع کا مفہوم صادق ہے۔" اور یہ بعینہ وہی ہے جو ہم دعویٰ کرتے ہیں۔

دوسری دلیل اگر مسیح علیہ السلام کی صرف روح ہی مرفوع ہوئی ہوتی تو آپ کافروں کے ہاتھوں سے کیسے بری اور مطہر ٹھہرتے۔ بلکہ جسد لطیف تو کافروں کے ہی اختیار میں رہتا اور کافروں کا مقصود یہی تھا حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مسیح ہم تجھکو کافروں کے اختیار سے الگ اور پاک کرینگے" پس اگر خالی روح مرفوع ہوئی ہو تو باریتعالےٰ کا یہ ارشاد کیسا درست ہوگا لہذا رفع روحی غلط ٹھہرا اور مسیح علیہ السلام کا بجسدہٖ مرفوع ہونا ثابت ہوا کیونکہ بجسدہٖ رفع مراد لیں گے تو مسیح علیہ السلام بلا شبہ بالکل کافروں کے اختیار سے نکل گئے اور پاک ہو گئے۔" اسلئے آیت مذکورہ سے رفع روحی مراد رکھ لینا بے علمی اور عجیب تر ہے۔

کادیانی اس آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے۔ کہ وہ بیان کرتے ہیں

Marfat.com

وقولهم انا قتلنا المسيح بن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم
وان الذين اختلفوا فيه لفی شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا بل رفعه الله
اليه وكان الله عزيزا حكيما۔ وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته ويوم القيامة
يكون عليهم شهيدا حيث حمل الرفع على الرفع الروحانی وقال برجوع الضمير المجرور
المتصل بالباء فی قوله تعالی ليؤمنن به الی كونهم شاكين غير متيقنين بكون عيسى مقتولا
مصلوبا وبرجوع الضمير المتصل بقوله موته الی الكتابی ثم وجه بتوجيهين آخرين وحكم
علی كليهما بالصحة والصواب الاول ان لفظ الايمان مقدر فی قوله تعالی قبل موته ای
قبل الايمان بموته فيكون معنی الاية ان كل كتابی يؤمن بان قتل عيسى مشكوك فيه
قبل ان يؤمن بموته الطبعی الذی وقع فی الزمان الماضی والتوجيه الثانی ان كل كتابی كان يؤمن
ويعلم قطعا بانهم شاكون فی قتل عيسى وليس قتله الا علی سبيل الشك والظن وذلك ای

کہ ہمنے مسیح مریمؑ کے فرزند کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے نہ تو انکو قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ ہاں
شبہ میں ڈالے گئے ہیں۔ جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ البتہ انکے قتل کے بارہ میں شک میں پڑے
ہوئے ہیں انکو اس پر یقین حاصل نہیں ہے صرف خلاف واقع کی تابعداری کرتے ہیں۔ مسیح علیہ السلام کو انہوں
نے قتل نہیں کیا بلکہ خداوند تعالے نے انکو اپنی طرف اُٹھا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے نہیں ہے
کوئی بھی اہل کتاب میں سے مگر کہ اسپر ایمان لاوے گا۔ اسکے مرنے سے پہلے۔ وہ قیامت کے دن اُنپر گواہ ہوگا
طریقہ استدلال کادیانی پہلی آیت میں رفع روحی مراد رکھتا ہے۔ بہ کا بیان ہے کہ اہل کتاب کا مسیح علیہ السلام کے مقتول
ومصلوب ہونے میں شاک ہونا ہی ضمیر بہ کا مرجع ہے۔ موتہ کی ضمیر اہل کتاب کیطرف راجع ہے اسکے بعد دو توجیہیں کرتا
ہے پہلی کہ قبل موتہ میں ایمان کا لفظ مقدر ہے۔ اس تقدیر پر آیت کا معنے یہ ہوا کہ ہر ایک کتابی مسیحؑ کی طبعی موت پر جو
ماضی میں واقع ہو چکی ہے ایمان لانیسے پہلے آپکے مشکوک القتل ہونے پر ایمان رکھتا ہے۔ دوسری توجیہ کہ
ہر ایک کتابی یقینا جانتا ہے کہ ہم مسیحؑ کے مقتول ہونے کے بارہ میں شک میں ہیں۔ اس شک پر انکا ایمان مسیحؑ کی
علیہ السلام کے مرنیسے پہلے تھا۔ گویا مسیحؑ ابھی زندہ ہی تھے کہ انکو آپکے مقتول ہونے میں شک تھا اور وہ آپکے مرنیسے

بقیہ صفحہ ۵۵۔ کادیانی صاحب کہتے ہیں کہ ہو الذی یتوفٰکم میں بھی توفی سے مراد موت ہی ہے۔ سو اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں
بھی قرینہ موجود ہے وہ یہ ہے کہ یہاں توبیخ مقصود ہے اسیواسطے ہو الذی یرزقکم یا یحییکم واشالہا نہیں فرمایا گیا۔ اور یہ
قرینہ موت ہے ۱۲ صفحہ جم ۔ ۵ کادیانی صاحب یہ عجیب ہے کہ اور کوئی اگر مقدر کا نام لے تو اسکو محرف کہتے ہیں۔

ایمانهم بکونهم شاکین کان قبل ان مات علیہ السلام والحاصل انهم والحال ان عیسیٰ حیّ ای قبل ان مات کانوا شاکین فی قتلہ ولم یکن حصل لهم قطع لقتلہ بل کانوا قبل ان یموت یوقنون بمشکوکیۃ قتلہ وفی هذا الاستدلال انظار شتی اما النظر الاول علی التوجیہ الاول فلان حمل الرفع فی الآیۃ علی الرفع الروحانی غیر صحیح اذ الکلام وقع بطریق قصر الموصوف علی الصفۃ علی نحو قصر القلب وهٰذا مشروط بتنافی الوصفین کما اذا خاطب المتکلم رجلا بعکس ما یعتقد مثل ما قام زید بل قعد لمن یظن بقیامہ وظاهر ان القیام والقعود متنافیان واشتراط التنافی اعم من ان یکون شرطا لحسنہ او لاصلہ ومن ان یکون التنافی متنافیا فی نفس الامر او فی اعتقاد المخاطب علی حسب تعدد الآراء وانما کان قولہ تعالیٰ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ علی نحو قصر القلب لانهم کانوا یدعون ان عیسیٰ مقتول فخاطبهم اللہ تعالیٰ بعکس ما زعموا من انہ مرفوع لا مقتول کما زعمتم فیجب التنافی بین وصفی القتل والرفع وذٰلک لا یتصور

آپ کے مرنیسے پہلے ہی اپنے اس شک پر یقین رکھتے تھے"۔ اب دیکھئے کہ استدلال پر کتنے اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ اولاً کہ رفع سے روحانی مراد لینا غلط ہے اسلئے کہ اس آیت میں مسیح علیہ السلام وصف مرفوعیت میں بطور قلب وعکس کے محصور کر دیئے گئے ہیں لیکن اس حصر اور قصر کے لئے اوصاف کی منافات شرط ہے۔ مثلاً ایک شخص اعتقاد رکھتا ہے کہ زید قائم ہے۔ دوسرے نے اس سے مخاطب ہو کر کہدیا کہ زید قائم نہیں بلکہ بیٹھا ہے۔ پس دیکھئے یہاں پر متکلم نے ایسا بیان کیا کہ وہ مخاطب کے عقیدہ کا قلب و الٹ ہی۔ ظاہر ہے کہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا یہ دو صفتیں آپسمیں منافات۔ غیریّت رکھتی ہیں۔ بے شک یہ منافات عام طور پر لی جاتی ہے۔ خواہ قصر وحصر کی بہترائی کے لئے یا نفس حصر کیواسطے شرط ہو۔ نیز واقع میں منافات ہو۔ یا اعتقاد میں۔ رہی یہ بات کہ وہ آیت کہ جسکا مضمون یہ ہے کہ انھوں نے مسیحؑ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ خداوند تعالیٰ نے انکو اپنی طرف اٹھا لیا ہے" بطور قصر قلب کے فرمائی گئی ہے۔ سو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اہل کتاب دعوی کرتے تھے کہ مسیح عؑ قتل کئے گئے ہیں۔ تو خداوند تعالیٰ نے انسے انکے گمان کے برعکس فرمایا کہ مسیحؑ تو صرف مرفوع ہوئے ہیں۔ قتل نہیں ہوئے۔ اب ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کو وصف مرفوعیت میں قصر حصر کیا گیا ہے۔ مگر قلب و عکس کے طور پر۔ پس ضرور ہوا۔ کہ قتل اور رفع میں منافات ہو۔ لیکن یہ منافات

تو جبھی متصور ہے۔ کہ

الا اذا کان مرفوعاً حالکونہ حیاً اذ منافاۃ الرفع حال الحیوۃ ای الرفع الجسمانی للقتل ظاہر بدیہی لا یحتاج الی تنبیہ فضلا عن دلیل واما اذا کان الرفع رفعاً روحانیا فلوجوب اجتماع الرفع مع القتل لا یتحقق التنافی بین الرفع والقتل لان کل احد یعلم قطعا ان من قتل فی سبیل اللہ فھو مرفوع بالرفع الروحانی باجماع المذاہب فحینئذٍ یجب اجتماعہما ومع ثبوت الاجتماع النفس الامری بل والاعتقادی ایضاً ارتفع التنافی راساً فلم یصح القصر اولم یحسن فاما ان یقر بکون ھذا الکلام نزل رداً لزعم اھل الکتاب فیلزمہ الاقرار بکونہ قصر القلب ووجوب تنافی وصفی القتل والرفع باحد الوجہین وبکون الرفع رفعاً جسمانیا واما ان یقر بعدم وجوب التنافی بین الوصفین فی قصر القلب وھذا ھدم للقواعد العربیۃ وبالجملۃ لا ید لہ اما من القول برفعہ علیہ السلام حیاً واما من الخروج عن العربیۃ فایھما شاء فلیختر والنظر الثانی ان ارجاع الضمیر

مسیح علیہ السلام بجسدہٖ مرفوع ہوئے ہوں۔ کیونکہ رفع بجسدہٖ بداہۃً منافی قتل ہے۔ مگر جب رفع سے روحانی رفع مراد لیں گے۔ جیسا کہ کادیانی کا بیان ہے تو وہ قتل سے منافی نہیں ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ جو شخص خدا کی راہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ تو اُس کی روح مرفوع ہوتی ہے۔ پس جبکہ قتل کی حالت میں رفع روحانی پایا گیا ہے۔ تو منافات کہاں رہی۔ جس حالت میں یہ دونوں واقع میں بلکہ عقیدہ میں بھی مجتمع ہوئے تو منافات سرے سے ہی اُڑ گئی۔ بنابراں آیت میں جو قصر کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ خود قصر ہی غلط ہو گا۔ یا بہتر نہیں ٹھیریگا۔ نعوذ باللہ منہ۔ لہذا کادیانی پر دو باتوں میں سے ایک کا اقرار کرنا لازم ہے۔ یا تو کہیگا کہ آیت اہل کتاب کی تردید کرتی ہے۔ لیکن اس صورت میں قصر قلب قتل و رفع میں منافات کا اقرار کرنا ہو گا۔ پس مسیح علیہ السلام کا بجسدہٖ مرفوع ہونا بھی ماننا پڑے گا۔ یا کہیگا۔ کہ قصر القلب میں وصفین کے درمیان منافات کا ہونا ضروری نہیں۔ مگر اس صورت میں کلام عربی کے قواعد کا ہدم اور انکے برخلاف پر ہونا لازم آوے گا۔ مختصراً کادیانی کو اس سے گریز نہیں ہو سکتا۔ یا تو مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے بجسدہٖ مرفوع ہونے پر ایمان لانا پڑیگا یا تو عہد عربیّت سے منحرف ہو گا۔ پس دو میں سے جسے چاہے اختیار کرے۔ دوسرا اعتراض معہ پہلی ضمیر کا

الاولى مشكوكية قتل عيسى دون عيسى ليس باولى من ارجاعه اليه فاختياره عليه مع
لزوم مخالفة السلف والخلف ترجيح بلا مرجح بل ترجيح للمرجوع وهٰذا افحش من ذلك
مع انه يكون المعنى على هٰذا ان كل كتابي يؤمن بان المسيح مشكوك القتل وان قتله
ليس بقطعى كما اوضح بنفسه وهٰذا المعنى لا يستقيم لان انباءهم بمضمون قتل عيسى
فى عنوان الجملة الاسمية وتاكيده بان صريح فى كونهم مذعنين بقتله ولذا رد الله عز
وجل ادعاءهم هٰذا بقوله عز وجل وما قتلوه يقينا اذ لو لم يكن لهم الاذعان لكفى في
ردهم وما قتلوه ولم يزد عليه قيد يقينا فالقول بانهم لم يكونوا مذعنين بل كانوا شاكين
فى قتله قول بالغاء قيد يقينا فى قوله تعالى وما قتلوه يقينا لخلوه عن الفائدة على هٰذا التقدير
وادعاء ان قيد يقينا قيد للقتل المنفى فى وما قتلوه فيكون النفى واردا على القتل المقيد
بهٰذا القيد والنفى على هٰذه الوتيرة كما يتحقق ويصح بانتفاء القيد كذلك يصح بانتفاء
المقيد والقيد كليهما وههنا كذلك فان القتل مع التيقن منتف لا ينفعه ولا ينجيه من لزوم

مشکوکیۃ القتل کی راجع کرنیسے اس ضمیر کا خود مسیح علیہ السلام کیجانب پھیرنے سے اولی نہیں ہے چنانچہ ظاہر ہے
پھر مشکوکیۃ کو مرجع بنانا باوجود اسکے کہ سلف خلف کے برخلاف ترجیح بلا مرجح بلکہ ضعیف کو ترجیح دینا ہے۔ یہ
ترجیح پہلی ترجیح سے بدتر ہے معہذا آیت کا معنے اس تقدیر پہ یوں ہوگا۔ کہ ہر ایک کتابی ایمان رکھتا ہے کہ
مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا شکیہ ہے۔ انکا مقتول ہونا یقینی نہیں ہے" چنانچہ کادیانی اس بات کو خود
واضح کر رہا ہے۔ حالانکہ یہ معنے درست نہیں ہے۔ کیونکہ انھوں نے مسیح علیہ السلام کا مقتول ہونا جملہ اسمیہ کے
لباس میں بیان کیا ہے۔ اور پھر اسکو موکد بھی کر دیا ہے۔ پس یہ صراحتہ اسپر دال ہے کہ وہ مسیح کے مقتول ہو جانے پر اذعان کر بیٹھے
ہیں آخر اسیواسطے تو خداوند تعالے نے انکی تردید کی کہ انھوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ اجی اگر انکو مسیح کے قتل ہو جانے پر اذعان
نہوتا تو خداوند تعالی اتنا ہی فرما دیتے کہ انھوں نے مسیح قتل نہیں کیا اور یقیناً کی قید نہ بڑھاتے۔ پس یہ کہنا کہ انکو یقین و اذعان
نہیں ہے یہ صاف طور پر اسبات کا اقرار ہے کہ قرآن شریف میں یقیناً کی قید لغو ہے۔ نعوذ باللہ منہ اچھا صاحب
اگر یہ دعوی کرینگے کہ اس آیت میں جو یقینی مذکور ہے وہ تو منفی قتل کی قید ہے تو گویا یہ نفی قتل مقید پر وارد ہوئی ہے
پس نفی جیسے کہ قید کے اٹھ جانے سے منتفی ہوتی ہے ویسے ہی قید و مقید دونوں کے اٹھ جانے سے منتفی ہو جاتی ہے
یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ یقینی قتل منتفی ہے اسواسطے آیت کا معنے یوں ہوگا کہ انکا متیقن قتل نہیں پایا گیا ہے۔ لیکن ہم کہتے ہیں باوجود

الغاء القید لکفایۃ نفی اصل القتل فی ردهم مع انہ یخالف القاعدۃ الاکثریۃ من ان النفی الوارد علی المقید یتوجہ الی القید فحسب علی انہ لم یوجد دلیل علی انہم قالوا بهذہ الجملۃ من غیر صمیم القلب کما وجد علی کون قول المنافقین لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نشہد انک لرسول اللہ من غیر صمیم القلب فکیف یصح ان هذا القول منہم مع کونہم شاکین من قبیل اظہار خلاف ما کانوا علیہ لئلا یتوجہ ایراد لزوم الالغاء علی الکائد المستدل بل وجد الدلیل علی انہم کانوا بقتلہ مذعنین کما یدل علیہ صریح عبارۃ القرآن ان النصاری قدیما وحدیثا یدعون بذالک ویدعون الناس الی الایمان بذالک ویزعمون ان وقوعہ علیہ السلام کان کفارۃ لذنوب امتہ مع انہ کان ذلک مکتوبا فی انجیلهم وان کان بطریق التحریف لکنہم لایمانهم بالانجیل وزعمهم عدم التحریف فیہ

ان لن ترانیونکے یقیناً کی قید کا فائدہ مند ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ پھر بھی کادیانی کو اس قید کے لغو ہونے کا مقر بننا پڑے گا۔ اولاً کہ انکی تردید کے لئے نفس قتل اور بلا قید ہی کی نفی کافی تھی۔ دوم یہ بات اکثری قاعدہ سے مخالف ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ نفی جب بقید پروارد ہوتی ہے تو وہ نفی صرف قید کیطرف متوجہ ہو جاتی ہے علاوہ براں یہ کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ جملہ (انا قتلنا المسیح الخ) بلا اذعان ہی کہدیا ہے جیسا کہ دوسری ایک آیت میں بلا اذعان کہدینے پر دلیل موجود ہے۔ اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں یا محمدؐ کہ آپ بلاشبہ خداوند تعالیٰ کے رسول ہیں"۔ پس یہ دعویٰ کرنا کہ اہل کتاب نے باوجودیکہ شک میں پڑے ہوئے ہیں" اپنے عقیدہ سے مخالفانہ کہدیا ہے کہ مسیح کو قتل کیا ہے" کیسے بلا دلیل قبولیت کے قابل ہے۔ البتہ اگر اس پر کوئی دلیل ہوتی تو یقیناً کی قید کا لغو ہونا لازم نہ آتا مگر دلیل تو نادارد ہے اسلئے کادیانی لغو ہونیکے الزام سے نہیں بچتے۔ ہاں اسپر تو دلیل موجود ہے کہ وہ لوگ مسیح کے مقتول ہو جانے پر اذعان کر بیٹھے ہیں"۔ دیکھو قرآن کی عبارت ہی پہلی شاہد عدل ہے۔ دوم نصاریٰ اور فرقوں کو اسی بات کیطرف بلاتے ہیں کہ آؤ مسیح کے مقتول ہونے پر ایمان لاؤ اور یہ اس گمان سے کہتے ہیں کہ مسیح امت کے گناہوں کے بدلہ قتل کیا گیا ہے۔ حال یہ ہے کہ یہ بات انکی انجیل میں بھی لکھی ہوئی ہے گو تحریف کے طور پر ہی ہو لیکن وہ اسپر اسلئے اذعان کر بیٹھے ہیں کہ وہ انجیل کو

كيف يجوز ويمكن منهم الشك فى قتل عيسى عليه السلام ومع وجود هذا الدليل لايتصور
ان ينسب الى جميعهم الشك فى قتله وقول الله عز وجل وان الذين اختلفوا لفى شك منه مالهم
بذلك من علم الا اتباع الظن مؤول بان المراد بالشك ليس ما يتساوى طرفاه كما اصطلح
عليه المنطقيون بل المراد من الشك المذكور ما يقابل العلم ومن العلم الحكم الجازم الثابت المطابق
لنفس الامر وعلى هذا لاتنافى بين شكهم وادعائهم فى قتل عيسى عليه السلام فيكون معناه
وان الذين اختلفوا لفى شك منه اى لفى حكم غير مطابق للواقع وان كان حكمهم بذلك حكماً
جازماً ولكن لعدم مطابقته لنفس الامر لايعد علماً بل شكاً وليس لهم بذلك علم اذ لابد
فيه من المطابقة فى نفس الامر فهم انما يتبعون الظن اى الحكم الغير المطابق لنفس الامر فيكون
مآل الشك والظن واحداً ولو اريدا بالمعنى المصطلح لاهل المعقول لم يتحد مصداقهما

معہذا یہ کہنا کہ مسیح علیہ السلام کے قتل ہو جانے پر اذعان نہیں رکھتے ہیں کیا صریح بہتان ہے۔ باوجود اس
روشن دلیل کے سب کیطرف شک کو منسوب کرنا کیونکر متصور ہے۔ شاید ایسے لوگوں کو اس آیت سے (جسکا
مضمون یہ ہے کہ وہ لوگ کہ مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارے میں شک میں ہیں۔ نہیں انکو اس کا اذعان
مگر کہ ظن کی تابعداری کرتے ہیں) وہم پیدا ہو گیا ہوگا۔ سو واضح رہے کہ شک جو اس آیت میں مذکور ہے وہ
منطقیوں کے طور پر نہیں ہے "منطقی تو شک اسکو کہتے ہیں۔ کہ جسکے دونوں جانب برابر ہوں[1]۔
بلکہ شک سے آیت میں ضد علم مراد ہے جسے حکم جازم مطابق واقع کہتے ہیں مختصراً کہ شک سے ضد یقینی مطلوب
ہے پس اس لحاظ سے مسیح علیہ السلام کے مقتول ہو جانے کے بارہ میں انکے شک کنندہ اور متیقن ہونے میں منافات
نہیں ہے بریں تقدیر آیت کا معنے یوں ہوگا کہ وہ لوگ جو مختلف ہوئے البتہ قتل کے بارہ میں شک میں ہیں
یعنی البتہ وہ ایسے خیال میں گرفتار ہیں کہ جو خلاف واقع ہے گو وہ لوگ یہ حکم بزعم خود قطعاً و جزماً لگاتے ہیں۔
لیکن چونکہ وہ درا صل مطابق واقع نہیں علم و یقین نہیں ہے بلکہ شک ہے کیونکہ یقین کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ
مطابق واقع ہو۔ پس بلاشبہ وہ ظن کے تابعدار ہیں یعنی اس خیال اور حکم کے تابعدار ہیں جو واقع کے مطابق نہیں
اسلئے شک اور ظن کا مآل اور مرجع ایک ہی ہوا۔ اگر شک و ظن کو منطقیوں کی اصطلاح کے موافق لینگے تو ان دونوں
کا مصداق ایک نہیں ہو سکتا

[1] جیسے کہ زید کے قائم ہونے کا خیال ہو ویسے ہی اسکے قائم نہ ہونے کا بھی خیال ہو اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہو اسی کو منطقی شک کہا
کرتے ہیں ۱۲ مترجم

المتباثر بينهما لوجوب رجحان احد طرفي الظن اي الطرف الموافق وعدمه مطلقاً في
الشك وهذا ظاهر واطلاق الشك والريب على غير المعنى المصطلح لهم مما يقابل العلم اليقيني
شائع وفي القرآن واقع قال عز وجل وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اطلق الريب
على انكارهم وقولهم الجازم بانه كلام البشر وبانه شعر او كهانة ويدل على ذلك قوله تعالىٰ
فلا اقسم بما تبصرون وما لا تبصرون انه لقول رسول كريم وما هو بقول شاعر قليلاً
ما تؤمنون ولا بقول كاهن قليلاً ما تذكرون تنزيل من رب العلمين فلو كانوا شاكين في
كونه كلام الله تعالى بالشك المصطلح لما وقعت هذه التاكيدات من كون الجملة اسمية و
تاكيدها بان وبالقسم فهذه دلالة بينة على شدة انكارهم لكونه كلام الله تعالى البالغ
الى حد الجزم بانه كلام غير الله وكذا اطلاق الظن عليه قال تعالىٰ ان يتبعون الا الظن و

کیونکہ انکے نزدیک ظن[1] وہ خیال ہے کہ طرف موافق قوی ہو۔ اور شک میں انکے نزدیک مطلقاً رجحان نہ چاہئے
چنانچہ ظاہر ہے۔ رہی بات کہ قرآن شریف میں کہیں بھی شک کا معنے برخلاف منطقین کے لیا گیا ہے سو
واضح ہو کہ قرآن مجید میں یہ بات موجود ہے۔ دیکھو خداوند تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر تم لوگ قرآن کے بارہ میں ریب
یعنے انکار میں پڑ گئے ہو الخ۔ آب دیکھو کہ اس آیت میں جو ریب بمعنے شک ہے انکے انکار۔ انکے حکم بالجزم پر کہ "یہ خدا
کی کلام نہیں ہے بلکہ کسی بشر کی ہے۔ شعر۔ کہانت ہے"۔ اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ خداوند تعالےٰ کی یہ
کلام دلالت کرتی ہے کہ ہم ان چیزوں کی قسم کہاتے ہیں جنہیں تم دیکھتے اور جنہیں تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ قرآن
فرشتہ جبرئیل کے مونہ سے نکلا ہے۔ کسی بشر کی کلام۔ شاعر کی کلام نہیں ہے۔ تھوڑے ہی لوگ ایمان لاتے ہیں
اور نہ یہ کاہن کی کلام ہے۔ تھوڑے ہی لوگ ہیں جو نصیحت قبول کرتے ہیں یہ قرآن منزل من اللہ ہے۔ اس
آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اگر قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کنندہ باین معنے ہوتے کہ
جو شک کا معنے منطقی کرتے ہیں" تو خداوند یہ تاکیدیں نہ فرماتا۔ پہلی کہ جملہ اسمیہ بیان فرمایا۔ دوم ان کو ذکر کیا۔
سوم قسم۔ پس بلاشبہ یہ اسپر دلالت کرتی ہے کہ انکا انکار قرآن شریف کے کلام الٰہی ہونے سے اس حد تک پہنچا ہے
کہ انھوں نے یقین کر لیا ہے کہ یہ غیر اللہ کی کلام ہے اسی طرح پر ظن کا بھی اسی خیال پر جو خلاف واقع ہو" اطلاق کیا
ہوا ہے دیکھئے وہ آیت جسکا ماحصل یہ ہے کہ وہ صرف ظن کی تابعداری کرتے ہیں۔ اور وہ صرف

[1] چنانچہ ایک شخص زید کے قائم ہونے پر غالب گمان رکھتا ہے گو اسکے قائم نہ ہونے کا بھی اسکو ضعیف سا گمان ہے
اسکو منطقین ظن کہتے ہیں ۱۲ مترجم

هم لا يخرصون وخلاصة الاشكال الذى ورد عليه على تقدير ارجاع الضمير الاول
الى الشك اما لزوم الغاء القيد فى الآية واما حمل قولهم انا قتلنا المسيح بن مريم على خلاف
الظاهر مع وجود ما يوجب حمله على الظاهر فمن التزم الاول فقد تكافر وان الثانى فقد
تحامق فايهما شاء فليختر وثالث الانظار ان فى هذا التوجيه تكلفا بحيث لا يتبادر
الذهن الى رجوع الضمير الى ما ادعى رجوعه اليه مع انتشار الضمير وذلك مخل لكمال
فصاحة القرآن و الرابع ان المعنى على هذا التقدير يؤل الى انهم يصدقون بمشكوكية
قتله ولما كان الشك والمشكوكية متحدين لزم كون التصديق متعلقا بالشك الذى
هو تصور سواء اريد بالشك مفهومه العنوانى او مصداقه لان كلا منهما تصور لا محالة
وسواء اريد بالتصديق الادراك الاذعانى الذى هو من جنس الادراك او الحالة

جھوٹے ہیں۔ غرضکہ اعتراض مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر پہلی ضمیر کو شک کیطرف پھیرینگے تو یا قید کا لغو ہونا
لازم آویگا۔ یا یوں کہنا پڑیگا کہ یہ آیت جس کا معنے یہ ہے کہ وہ اعتقاد کر بیٹھے ہیں کہ ہمنے مسیح علیہ السلام کو قتل
کر ڈالا ہے" اپنے ظاہر معنے پر محمول نہیں۔ حالانکہ ظاہر پر محمول ہونے کا بھی موجب موجود ہے۔ پس جو
لوگ پہلی کا التزام کریں گے تو یہ کفر ہے۔ اگر دوسرے کو اختیار کریں گے تو یہ نادانی ہے۔ اب ان دونوں میں سے
جس کو چاہئیں اختیار کرلیں۔ تیسرا اعتراض کہ یہ توجیہ تکلف محض ہے۔ کیونکہ جسکی طرف تم ضمیر کو راجع کرتے
ہو یہ رجوع ہرگز متبادر نہیں ہے۔ نیز اس قسم کے ارجاع سے انتشار ضمائر لازم آتا ہے۔ قرآن شریف میں
انتشار ضمائر کا قائل ہونا یہ تو بے عیب پر از فصاحت قرآن کو بٹہ لگانا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ اور جب یہ سب
کچھ باطل ہوا تو ہمارا ثابت ہوا۔ چوتھی بحث کہ جب اسطرح ضمیر کا مرجع مانا جاوے تو آیت کا معنے یہ ہوگا
کہ اہل کتاب مسیح علیہ السلام کی مقتولیت کے مشکوک ہونے پر تصدیق رکھتے ہیں اور شک و مشکوکیت چونکہ ایک ہی
بات ہے تو تصدیق کا شک سے تعلق پکڑنا لازم آتا ہے۔ یہ شک جو ایک قسم کا تصور ہی
ہے اسکے لفظ کا مفہوم ہی شک سے مراد رکھ لیں یا جس پر وہ شک صادق آتا ہے وہی
مقصود رکھیں اسلئے کہ شک کا معنے اور اس کا مصداق دونوں تصور ہی
ہیں عام اس سے کہ تصدیق علم الیقینی جو مطلق ادراک و تصور کا قسم
ہے" مقصود ہو۔ یا وہ حالت کہ بعد ادراک کے

الادراكية الاذعانية التي هي من لواحق الادراك وتعلقه بالتصور مطلقا باطل كما تقرر في مقره ولكن تعلقه بالشك حال كون التصديق من جنس الادراك افحش من تعلقه به على تقدير كونه من لواحقه لانه على هذا يكون الشك معلوماً والتصديق ادراكاً وعلماً به وقد ثبت بالبرهان عندهم اتحاد العلم بمعنى الصورة العلمية بالمعلوم فلزم اتحاد التصديق والشك مع انهما متباينان والنظر الخامس ان الشك المصطلح عبارة عن التردد بين طرفي النسبة من الوجود والعدم على التساوي اي ادراك النسبة مع تجويز طرفيها من غير اذعان باحد جانبيها فالمعنى الذي اراد الكائد من ان اهل الكتاب يؤمنون بشكهم في قتل عيسى قبل الايمان بموته الطبعي يرجع الى ان شكهم في قتله حاصل من غير اذعان بموته الطبعي لان من لوازم القبلية ان لا يوجد البعد حين حدوث القبل ولان الشك في

پیدا ہوتی ہے جسے دانش کہتے ہیں" مطلوب ہو۔ لیکن تصدیق کا بہرحال تصور یعنے شک سے متعلق ہونا باطل ہے۔ چنانچہ یہ بات ثابت ہے ہاں تصدیق کا شک سے اس صورت میں متعلق ہونا۔ کہ تصدیق جنس تصور سے مان لیں بہت فحش ہے۔ اس صورت سے کہ تصدیق کو بمعنے دانش لیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ جب تصدیق کو تصور کا ہی قسم سمجھکر شک سے متعلق جان لیں تو شک معلوم بنجاویگا اور پھر تصدیق کو بہ نسبت شک کے علم قرار دینا پڑے گا۔ حالانکہ دلیل سے ثابت ہے کہ علم تصور وصورت علمیہ[له] کے معنے سے معلوم کے ساتھ متحد ہوتا ہے۔ لہذا لازم آیا۔ کہ تصدیق اور شک ایک ہی بات ہو حالانکہ یہ صریح غلط ہے کیوں غلط نہ ہو کہ تصدیق وشک آپسمیں غیریت رکھتے ہیں۔ پانچویں بحث کہ شک اصطلاحی جب ہی متحقق ہوگا۔ کہ نسبت کے طرفین میں تردد ہو یعنے یہ ایسا ہے یا ایسا۔ لیکن دونوں میں سے کسی جانب کو ترجیح نہو۔ بلکہ طرفین کی تجویز برابر ہو۔ پس کادیانی کی یہ تفسیر کہ "اہل کتاب شک کی بابت قتل پر مسیح علیہ السلام کے طبعی مرنیسے پہلے ایمان رکھتے ہیں" اسطرف کو راجع ہوگی کہ اہل کتاب کا اس قسم کا شک بغیر اس کے کہ انکو مسیح علیہ السلام کی طبعی موت پر یقین ہونا موجود تھا"۔ کیونکہ تقدم کے لوازم سے ہے کہ مابعد مقدم پیدا ہونیکے زمانہ میں موجود نہو۔ نیز

له۔ جب انسان کا مثلا علم حاصل ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔ کہ اسکی ماہیت اور صورت ذہن نشین ہوتی ہے پس اس صورت کو صورت علمیہ کہتے ہیں ۱۲ مترجم

اوالنبوة وفی هذا تحقیر لهم ولا یناسب ذلک لعلو حالهم وقد تقرر فی کتب
العقائد ان الانبیاء بعد انتقالهم من دار الدنیا لا یعزلون عن مناصب النبوة
بل صرح فی بعضها بتکفیر من قال بهذه الجملة او هل هم متصفون بوصف النبوة
وهذا یخالف قول الله ولکن رسول الله وخاتم النبیین لان خاتمیة تقتضی
ان لا یکون بعده نبی فکیف یصح ان یکونوا موصوفین بالنبوة بعد کون نبینا
صلی الله علیه وسلم مبعوثا وکیف لا یعزلون عن منصب النبوة فی المعاد فما هو
جوابک عن هذا النقض الوارد فهو جوابنا عن اعتراضک المزخرف والحل ان
المسیح علیه السلام حین تمکنه فی السماء وحین نزوله وکذا هو وسائر الانبیاء
فی البرزخ وفی المعاد متصفون بوصف النبوة والرسالة غیر معزولین عن مناصبهم

یا عالم آخرت میں موصوف ہونگے یا نہ اگر کہدینگے کہ معزول ہیں یا معزول ہونگے تو یہ صاف سب پیغمبروں
کی ہتک ہے اور یہ انکی عالی شان سے نامناسب ہے۔ بھلا ایسا کیونکر ہو کتب عقائد میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے
کہ انبیاء علیہم السلام بعد الانتقال ہرگز اپنے مناصب سے معزول نہیں ہوتے بلکہ بعض نے صراحۃً لکھا ہے کہ
جو شخص اس عزل کا قائل ہوگا وہ کافر ہے۔ اسلئے ماننا پڑے گا کہ وہ دونو عالموں میں وصف رسالت
ونبوت کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں۔ مگر یہ بات کادیانی کیطرز پر آیت سے مخالف ہے۔ کیونکہ انکے
نزدیک آیت سے ثابت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کے بعد کسی نبی کو نبوت
ورسالت کی صفت ثابت نہیں ہونی چاہئے۔ پس وہ پیغمبر عالم برزخ میں رسالت ونبوت
سے کیسے موصوف ہو سکتے ہیں اور کیوں نہیں عالم آخرت میں انسے عہدہ رسالت ونبوت کا
چھینا گیا ہوگا۔ آخر وہ وقت بھی تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونیکے بعد ہی ہے
پس جو کچھ کادیانی جواب دیگا وہی ہماری طرف سے بھی جواب ہے۔ ثانیاً ہم تفصیلی نقض پیش کریں گے
وہ یوں ہے کہ مسیح علیہ السلام جسوقت کہ وہ آسمان پر مستقر ہیں اور جس زمانہ میں اتریں گے اسیطرح
باقی انبیاء عالم برزخ میں اور آخرت میں بالضرور رسالت ونبوت کے ساتھ موصوف ہیں اور ہونگے

لہ شاید بعض لوگ یہ کہدیں کہ عالم برزخ اور آخرت مستثنے ہے۔ ہم انکے جواب میں کہدیں گے کہ مسیح ع بھی مستثنے ہے۔
اس سے حضرت مولانا صاحب مدظلہم کا یہ فرمودہ ما هو جوابکم فهو جوابنا خوب ذہن نشین ہوگا ۱۲ مترجم

Marfat.com

وقول الناقص ان هٰذا يخالف قول الله عزوجل ما كان محمد الاٰية غير متوجه اذ النبي صلى الله عليه وسلم آخر الانبياء بعثاً بمعنى انه اوتي النبوة بعدما اوتيها سائر النبيين عليهم من الصلوة اتمها ومن التسليمات اكملها وليس بآخرهم بقاءً بمعنى ان كلهم مما عداه صلى الله وسلم عليه وعليهم بعد رسالته صاروا معزولين عن مناصب نبواتهم ورسالاتهم ولا منافاة بين كونه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين وآخرهم وبين بقاء نبواتهم ورسالاتهم لان المعية بين الشيئين بقاءً لا ينافي بعدية احدهما واولية الاٰخر حدوثاً كما ترى في البناء والبنّاء وفي الابن والاب فان حدوث البناء بعد حدوث البنّاء وحدوث الابن بعد حدوث الاب مع تحقق المعية بينهما بقاءً وامثلته كثيرة

رہی یہ بات کہ یہ عقیدہ آیت (جس کا مضمون مختصر یہ ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیار ہیں) اسی مخالف ہے سو ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثاً آخرالانبیار ہیں بایں معنے کہ وہ بعد ازانکہ باقی انبیا علیہم السلام نبوت دیئے گئے ہیں انکو نبوت عنایت کئے گئے اور آپ بقار نبوت میں انسے متاخر نہیں ہیں یعنے آپکے خاتم النبیین ہونیکے یہ معنے نہیں کہ اور پیغمبروں سے پیغمبری چھینی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین[1] انسے متاخر ہونے۔ ان پیغمبروں کی رسالت ونبوت باقی رہنے میں کچھ منافات نہیں ہے۔ کیونکہ دو چیزونکی بقار میں معیت ایک کی بعدیۃ۔ دوسرے کی حدوثاً اولیت کو مغائر نہیں ہے۔ دیکھو عمارت اور معمار۔ بیٹا۔ باپ اسلئے کہ عمارت معمار کے موجود ہونیکے بعد موجود ہوتی ہے۔ بیٹا باپ کے موجود ہونے کے بعد موجود ہوتا ہے۔ معہذا عمارت۔ معمار۔ بیٹا۔ باپ بقاے میں معیت رکھتے ہیں۔ دوسری مثالیں بھی ہیں لیکن اتنے ہی مثالوں پر کفایت کی گئی۔

[1] کادیانی صاحب نے اس حدیث نے بھی جس کا یہ مضمون ہے کہ میرے بعد وحی نہیں اترے گا۔ دعوی مسیحیت پر چیت و چالاک کردیا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ انکو اتنے عریض وطویل دعوے کے ہوتے یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ حدیث ہی صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بیان کرچکے ہیں ۱۲ مترجم

Marfat.com

لا تحصیٰ ثم اکد ذلک المعترض هذا الاعتراض المزخرف فی موضع اٰخر من کتابه
بان المسیح لو کان حیًّا فی السماء منتظر انزوله الی الارض فاذا نزل والحال انه لا یعرف
العربیة فیحتاج الی علم القراٰن ولا یتیسر له ذٰلک لعدم معرفته العربیة ویتعسر له
التعلم فی تلک الحالة لشیخوخته فیحتاج الیٰ ان ینزل علیه کتاب جدید بلسانه
فیقرء الناس کتابه ویقرء فی صلوته من ذلک الکتاب ویعلم الناس الکلمة
بلسانه وفی هٰذا استیصال لدین الاسلام اقول متمسکا بلاحول ولا قوة الا باللّٰه
العلی العظیم و مستعیذا باللّٰه من الشیطان انصال المضل الرجیم ان کل ذٰلک
سفسطة من سفسطاته ولا ادری انه کیف حصل له العلم الیقینی بان المسیح لم یکن
یعرف العربیة مع کون العبریة کثیر التوافق کالفنجابیة والاردویة
فهل یتعسر لمن یعرف احدی اللغتین معرفة اللغة الاخریٰ منهما واما شاهد

پھر اس کادیانی نے اپنے اس اعتراض کو دوسرے مقام پر اپنی کتاب میں تائید کی ہے
کہ اگر مسیح آسمان پر نزول کے لئے منتظر ہیں تو جس وقت اُتریں گے تو اُس وقت تو وہ عربی
نہیں جانتے ہونگے۔ لہٰذا علم القرآن کیطرف محتاج ہونگے اور یہ تو اُن کے لئے آسان
نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عربی جانتے ہی نہیں اور کسی سے تعلیم پانا بھی اُن کے واسطے مشکل
ہے۔ اُس وقت وہ سن شیخوخت میں ہونگے۔ لہٰذا لازم ہوا کہ اُن پر کوئی نئی کتاب اُنہی کی
زبان میں نازل ہو۔ تاکہ لوگوں کو تعلیم دیں اور نماز میں پڑھیں۔ لوگوں کو اپنی زبان میں
ہی کلمہ توحید کی تعلیم دیں حالانکہ دین اسلام کو گویا جڑھ سے اُکھاڑنا ہے + ہم لاحول ولا قوۃ
سے تمسک کرکے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم انصال والمضل پڑھکر اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ
باطل ہے معلوم نہیں ہوتا۔ کہ کادیانی کو یہ علم یقینی کہاں سے حاصل ہوا کہ مسیح علیہ السلام عربی نہیں
جانتے۔ حالانکہ عبری اور عربی زبان آپسمیں بہت ہی موافق ہے۔ جیسے کہ پنجابی۔ اردو زبان
ایکدوسری سے بہت کچھ موافق ہے۔ اب کہئے کہ پنجابی دان پر اردو کا جان لینا
دشوار ہے ہرگز نہیں۔ پس کادیانی کا یہ کہنا کہ مسیح علیہ الصلوۃ والسلام پر
عربی کا علم دشوار ہی + مردود ہے۔ کیا دیکھا نہیں ہوا ہے۔ کہ

Marfat.com

الذين يعرفون السنة مختلفة ويقدرون علی اداء مضامينهم بلغات متنوعة اليس فی نفسه آية انه مع كونه من خمسة ماء يعرف لغتها ويعرف اللغة الفارسية فای شئ اعجز المسيح من تعلمه العربية اما بتعليم الله تعالیٰ وبتعليم معلم من البشر لسبق التقدير الازلی علی كونه مجددا لهذا الدين ولم يعجز الكاذب من معرفة اكثر من لغة واحدة فبای شئ يتيسر ذلك لغير النبی ولم يتيسر للنبی الذی تكلم حال كونه صبيا و قال انی عبد الله اتانی الكتاب وجعلنی نبيا مباركا ولو سلم عدم علمه العربية قبل رفعه الی السماء فمن اين جزم بانه لا يتعلم فی الملكوت ولئن سلم عدم تعلمه هناك فمن انبائه انه لا يمكن له اولا يتيسر له العلم بها حين نزوله فمن علم الاسماء كلها آدم وعلم نبينا المكرم

جو لوگ مختلف زبانیں جانتے ہیں وہ انکے مضامین کو مختلف زبانوں میں ادا کرسکتے ہیں۔ مجی اپنے ہی آپ کیطرف خیال کریئے کہ جو خود پنجابی ہے اور فارسی کو جانتا ہے۔ پس یہ کس مونھ سے کہدیا ہے کہ مسیح تعلیم عربی سے (خواہ بتعلیم اللہ ہو یا تعلیم بشر سے۔ اسلئے کہ خداوند تعالیٰ نے انکو ازل میں ہی دین محمدی کا مجدد بنا رکھا ہے) عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز ہونگے۔ کیا وہ نبی عاجز ہوا اور کادیانی عاجز نہوا۔ سبحان اللہ مسیح علیہ السلام پر یہ دشوار۔ اور کادیانی کیلئے آسان۔ حالانکہ مسیح وہ پیغمبر ہیں کہ جن کے حق میں قرآن شریف میں آیا ہے کہ مسیح نے سن صبا میں یہ گفتگو کی کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ خداوند تعالےٰ نے مجھکو کتاب دی۔ اُسنے مجھکو نبی۔ مبارک بنایا۔ اب دیکھئے کہ مسیح علیہ السلام کی یہ گفتگو سنِ صبا میں تھی اور کادیانی کہتے ہیں کہ جب اُتریں گے (اور باتیں تو درکنار رہنے دو) تعلم سے بھی عاجز ہونگے۔ نعوذ باللہ منہ۔ اچھا مان لیا کہ مرفوع ہونے سے پہلے آپ عربی نہیں جانتے تھے لیکن کادیانی کو یہ یقین کہانسے حاصل ہوا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو عالم ملکوت میں یہ علم نہیں دیا گیا۔ یہ بھی مانا کہ ملکوت میں بھی انکو یہ علم نہیں دیا گیا ہے لیکن یہ خبر اسکو کہانسے ملی ہے کہ علم عربی مسیح علیہ السلام کیلئے ممکن یا آسان نہیں۔ بہلے مانسو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس نے تمام چیزوں کے نام سکھلائے تھے۔ ہمارے سردار حضرت محمد

Marfat.com

علم ما لم يتعلّم المسيح بن مريم وليس ذلك على الله بعزيز اما قرع صماخ اذنه ان صاحب القوة القدسية تصير النظريات كلها بديهية عنده وهذا مجمع عليه عند اهل المعقول فكيف يستبعد ذلك ولم يستبعد هذا ولئن سلمنا استبعاده او استحالته فلا نسلم ان تبليغ احكام الشريعة وتفهيم معاني القران وتاديه مفاهيم كلمات التوحيد بلغة غير العرب تبديل للاسلام ونسخ للاحكام واستيصال للدين المتين لانه لو كان كذلك للزم كون المسلمين كلهم من غير العرب مبدلا للاسلام وللزم كون الكائد لما انه يؤدي العقائد ومعاني القران وكلمات التوحيد حسب ما يرتضيه بالهندية مبدلا للاسلام ومعرضا عنه ولوجب ان من ايقن بان الله

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسنے باوجود اُمّی ہونے کے بے کنار دریائی علوم عنائت کیا تھا۔ جس نے اُنکو عنائت کیا وہی مسیح ؑ کو عنائت کریگا۔ اجی کادیانی کے کانوں کو اس خبر کی ہوا کی جوٹ نے نہیں کہڑکایا ہے۔ کہ ”صاحب قُوت قدسیہ کے سامنے نظریات بہی بدیہی ہوجاتے ہیں۔ یہ بات اہل معقول کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ پس کیسے مسیح کا عربی کو جان لینا بعید سمجھا جاوے اور وہ بعید نہیں سمجہا گیا۔ اگر اس کے بعید ہونے کو ہم تسلیم بھی کر لیں۔ لیکن اِسبات کو تسلیم نہیں کرتے کہ معانی قرآن کا سمجہنا۔ کلمات توحیدیہ کے معانی کو ادا کرنا عربی کے بغیر دوسری زبان میں اِسلام کو بدل ڈالنا ہے۔ احکام کو منسوخ کر دینا ہے یا دین اسلام کو جڑہ سے اُکھاڑنا ہے جیسا کادیانی کہتے ہیں۔ اسلئے کہ اگر ایسا ہوتا۔ تو لازم آتا کہ مسلمان اہل عرب کے سوا سب کے سب اسلام کو بدل ڈالنے والے ہوں۔ بلکہ خود کادیانی جو عقائد اور معانی قرآن۔ معانی کلمات توحیدیہ کو اردو میں جیسے کہ اسکو پسند آتے ہیں ادا کرتے ہیں“ نیز محرف اسلام ہوں اجی کادیانی کی تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ اگر کوئی شخص خدا کی توحید

سلہ۔ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح علیہ السلام جزیہ کو موقوف کردیگا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ناسخ دین محمدی ہونگے وجہ یہ ہے کہ یہ حکم بھی در اصل احکام محمدیہ سے ہے۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ یہ حکم اس زمانہ کے واسطے ہے کہ جب مسیح ؑ اتریگا چنانچہ ہم انوار محمدی کے بعض ابواب میں بخوبی اسبات کا فیصلہ دے چکے ہیں ۱۲ مترجم

عزوجل متصف بصفات الکمالیۃ التی دلت علیہا النصوص وواحد لا یماثلہ شیٔ
ولا یشبہہ احد لا فی ذاتہ ولا فی صفاتہ وان اکرم الموجودات واشرف المخلوقات سیدنا
محمدًا النبی العربی الہاشمی صادق فی دعواہ النبوۃ حق ما جاء بہ من عند اللہ تعالیٰ
وتلفظ بہذہ المعتقدات الحقۃ الثابتۃ بلغۃ یعرفہا من غیر العربیۃ ودام علی ہٰذا
التیقن الاوّل ومات علیٰ ذلک لایکون مؤمنًا فہل ہٰذا الا نفی لعموم دعوۃ القراٰن
واثبات لخصوص رسالۃ رسول الانس والجان وقد قال تعالیٰ وتبارک تبارک الذی
نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعٰلمین نذیرًا ، وقال عزوجل وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین
وقال وعز من قائل وما ارسلناک الا کافۃ للناس وامرہ اللہ تعالیٰ بقولہ یایہا الناس انی
رسول اللہ الیکم جمیعًا افلم یعلم انہ کما ان انکار اصل نبوۃ نبینا محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم
کفر کذلک انکار عموم نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم کفر لکون کل منہما متساوی
الاقدام فی رد النصوص القطعیۃ وایضًا استدل علیٰ عدم کونہ فی السماء بقولہ تعالیٰ واوصنی

ذاتی وصفاتی - جناب سید ومولا حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسپر جو آپ
خدا سے الکلام لائے ہیں ایمان رکھتا ہے - اسکو فارسی کشمیری - اردو - پنجابی میں بیان کرتا ہو + باوجود
اسکے کہ اسی عقیدہ اور بیان پر مر بھی ہو گیا ہو - مسلمان نہ ہوا العیاذ باللہ - پس کیا یہ رسول
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے عموم اور قرآن کی دعوت عامہ سے انکار نہیں ہوا - بلکہ انکار
ہے حالانکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ پاک پروردگار وہ قادر مطلق ہے کہ اسنے اپنے خاص بندہ پر
قرآن کو نازل فرمایا تاکہ وہ تمام عالموں کے لئے ڈرانیوالا ہو - نیز فرماتا ہے کہ ہمنے تجھکو یا رسول اکرم
نہیں مبعوث فرمایا - مگر تمام عالمونکے واسطے رحمت - نہیں بھیجا ہمنے تجھکو مگر تمام لوگونکی طرف (خواہ
عربی ہوں یا ترکی یا فارسی وغیرہ) نیز فرمایا کہ یا محمد تم کہدو کہ میں تمہارے سب لوگونکی طرف بھیجا
گیا ہوں + کیا یہ معلوم نہیں جیسے کہ آپکی خود پیغمبری سے انکار کرنا کفر ہے ویسے ہی آپکی عموم نبوت
سے منکر ہو جانا کفر ہے - کیونکہ جس طرح کہ اصل نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ کو رد کرنا
ہے اسیطرح عموم نبوت سے انکاری ہونا نصوص قطعیہ سے لڑائی اور مقابلہ ہے - کادیانی مسیح علیہ السلام کے
آسمان پر زندہ نہونیکے لئے یوں بھی استدلال کرتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح نے بیان کیا کہ خداوند

بالصّلوٰة والزکوٰة مادمت حیًّا وبرًّا بوالدتی وتحریرہ بانہ لوکان حیًّا للزم کونہ
مامورًا فی السّماء باداء الزکوٰة وباحسان والدتہ وظاہران امتثالہ بہذین الامرین
وہو فی السماء غیر متصور والجواب ان المراد بالزکوٰة ہٰہنا معناہا الحقیقی وہے
الطہارة دون معناہا المنقول الفقہی المعرف فی کتب الفقہ کما ارید بقولہ تعالیٰ
ومن تزکی فانما یتزکی لنفسہٖ وبقولہ تعالیٰ فاردنا ان یبدلہما ربہما خیرًا منہُ
زکوٰة واقرب رحمًا وبقولہ تعالی عبس وتولی ان جاءہ الاعمی وما یدریک لعلہ
یزکّی اویذکر فتنفعہ الذکریٰ امامن استغنیٰ فانت لہ تصدّیٰ وما علیک الا یزکّیٰ
وبقولہ عزوجل قد افلح من زکّٰہا وبقولہ تبارک وسیجنبہا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکے

نے مجھکو نماز۔ زکوٰة کا جبتک کہ میں زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مجھکو اپنی والدہ سے نیکی کنندہ بنایا ہے + استدلال اسطرح پر کرتے ہیں کہ اگر مسیح علیہ السلام آسمان پر زندہ ہوتے تو بلاشبہ اداے صلوٰة۔ زکوٰة۔ والدہ سے احسان کرنے کے ساتھ مامور ہونے چاہئیں حالانکہ آسمان پر ہوتے نہ تو زکوٰة ادا ہو سکتی ہے اور نہ والدہ سے نیکی کر سکتے ہیں۔ پس حکم آلہی کا خلاف لازم آویگا۔ الجواب یہاں پر زکوٰة مالی کی زکوٰة مراد نہیں ہے۔ بلکہ طہارة جو اس کا حقیقی معنے ہی مراد ہے نہ اور کچھ جیساکہ اس آیت میں جس کا مضمون ہے کہ جو پاک ہوا وہ اپنے آپکے لئے پاک ہوتا ہے۔ انکی خدانے اس بات کا ارادہ کیا کہ اسکے بدلہ ایسا ولد دے کہ پاکیزگی میں۔ صلہ رحم میں بہتر ہو۔ نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترش روئی کی جسوقت آپکی خدمت میں نابینا حاضر ہوا کس چیز نے آپ کو یارسول جتلایا شاید کہ وہ پاک ہو جاتا۔ یا نصیحت قبول کرتا۔ پس اسکو نصیحت نفع دیتی۔ اپنے جو دولت مند ہوتا ہے آپ اُسکی طرف ہی التفات کرتے ہیں۔ آپ اسکے ذمہ وار نہیں کہ اگر وہ پاک نہو۔ بلاشبہ اس شخص نے خلاصی پائی کہ جس نے اپنے آپکو پاک کیا ہے۔ قریب ہے کہ اس سے ہٹایا جاویگا وہ شخص جو مالدار ہے مالکو خدا کی راہ میں اسلئے خرچ کرتا ہے۔ کہ وہ پاک ہو جائے +

سلہ حضرت مصنف علام ادام اللہ فیوضہم کی تقریر سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس بیہودہ اعتراض کا اور بھی جواب ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰة مالی جب ہی فرض ہوتی ہے کہ مالک نصاب بھی ہو پس جبکہ اہل اسلام اس کے کہ مسیح علیہ السلام تجارت یا خوراک کے لئے مال آسمان پر لیگئے ہیں؛ قائل نہیں ہیں لہذا یہ ثابت ہے۔ لہذا مسیح پر آسمان پر زکوٰة بھی فرض نہیں ہے ۱۲ مترجم

ونحو ذلك من الآيات وعلى هذا فعدم تصور امتثاله بهذا الامر خفي غاية الخفاء وتصوره ظاهر كمال الظهور وان خفي على من عمي عمى المبتدع الفنجر واما لزوم ايتمار المسيح عليه السلام ببر والدته حال كونه في السماء بهذه الآية فغير ظاهر لان قوله تعالى برًّا بوالدتي ليس معطوفا على مدخول الجار المتعلق بقوله اوصاني حتى يلزم ذلك اذ لو كان كذلك لكان مجرورًا مثل معطوفه ولم يكن منصوبا ولقرئ قوله برًّا بكسر الباء لا بفتحها لئلا يلزم كون من يقوم به البر مأمورًا به كما ان الصلوة والزكوة مأمور بهما مع كونه بديهي البطلان لضرورة ان ما يؤمر به او ينهى عنه انما هو الافعال دون الذوات فاجماع القراء على فتحها يابى كل الاباء عن كونه معطوفا على ذلك المتعلق

وغیرہ۔ اب دیکھو ان آیات میں زکوٰۃ کا معنے بجز تزکیہ نفس کے اور کچھ نہیں ہے ویسے ہی مسیح علیہ السلام کو بھی تزکیہ نفس کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ ہر جگہ ہو سکتا ہے۔ زمین پر ہو یا آسمان پر پھر کہئے کہ انکے آسمان پر ہونے سے خلاف حکم الٰہی کیسا لازم آیا۔ چنانچہ ظاہر ہے۔ گو ان لوگوں پر جو مستبدعین اور فاجرین کی طرح بصارت نہیں رکھتے ہیں" پوشیدہ ہو رہی یہ بات کہ مسیح علیہ السلام کو گو آسمان پر ہی مستقر مان لئے جاویں والدہ سے احسان نہیں کر سکتے اور یہیں خلاف حکم الٰہی لازم آتا ہے" سو واضح ہو کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ اس صورت میں لازم آتا کہ اگر برًّا الصلوٰۃ پر جو اوصانی سے متعلق ہے" معطوف ہوتا۔ کیونکہ اس تقدیر پر یہ معنے ہوتا کہ مجھکو خداوند تعالیٰ نے نماز کا اور والدہ سے نیکی کرنے کا حکم دیا ہے جبتک کہ میں زندہ رہوں لیکن برًّا تو اس مجرور پر معطوف ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر اس پر معطوف ہوتا تو برًّا منصوب نہ ہوتا۔ بلکہ مجرور ہوتا اور برٍّ پڑھا جاتا۔ نیز برًّا کی با کو زیر دیجاتی نہ زبر اگر برٍّ ہوتا۔ تو اس کا معنے خالی نیکی ہوگا۔ نہ نیکی کنندہ کیونکہ نیکی کنندہ تو برًّا کا معنے ہے۔ پس چاہئے تھا کہ برٍّ پڑھا جاتا نہ برًّا۔ ورنہ لازم آویگا مامور بہ مسیح ہوں کہ جنکے ساتھ بر قائم ہے جیسا کہ نماز۔ زکوٰۃ مامور بہا ہیں حالانکہ مامور بہ فعل ہوتا ہے نہ ذات اسلئے کہ ذات کا مامور بہا ہونا صریح باطل ہے۔

پھر کہئے کہ قرآن شریف میں برًّا (منصوب باورا) قدیم الایام سے کیوں لکھا چلا آیا ہے۔ کیوں ہمیشہ برًّا پڑھا جاتا ہے۔ پس قراء کا اجماع برًّا ہی پر اسکے صلوٰۃ پر معطوف ہونے سے انکاری ہے

Marfat.com

والا احتیج لتصحیح الکلام والاحتراز عن المحذور المذکور الی تکلف حمل الصفۃ المشبہۃ علی المصدر مع ان الضرورۃ غیر داعیۃ الی ھذا التکلف لامکان تصحیح ذلک الکلام من غیر تکلف بعطف برًّا علی قولہ نبیًا فیکونان مفعولین لقولہ تعالیٰ وجعلنی من قبیل عطف المفرد علی المفرد وبعطف جعلنی المقدر قبل قولہ برًّا علی قولہ وجعلنی الملفوظ صریحًا فیکون من قبیل عطف الجملۃ علی الجملۃ وتمام الآیۃ قال انی عبد اللہ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیًا مبارکًا این ماکنت واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًا وبرًّا بوالدتی وعلی ھذا التوجیہ الصحیح الخالی عن المحذور والتکلف لم یلزم توجہ ھذا الامر الیہ علیہ السلام وجوب امتثالہ بحال کونہ فی السماء ایضًا علی انا

ہاں اگر برًّا کو باوجودیکہ منصوب الروالباء ہے مجرور پر معطوف سمجھیں گے۔ تو اسمیں یہ قباحت ہے کہ اعتراض سابق کے دور کرنے کے لئے صفت مشبہ بمعنی مصدر لینا پڑے گا۔ بانیطورکہ برًّا جو بمعنے نیکی کنندہ اور صفت مشبہ ہے (جیسا حسنٌ) اسکا معنی یہ ہے یعنے نیکی۔ حالانکہ یہ ایسی بناوٹ ہے۔ کہ اسکا داعی ہی موجود نہیں۔ وجہ یہ ہے۔ کہ برًّا کو نبیًا پر معطوف کرکے اصلی معنی (نیکی کرنے والا) میں مستعمل کرنا جائز ہے۔ اب کونسی ضرورت درپیش ہے جس لئے وہ چھوڑا جاوے۔ جاننا چاہیئے کہ جب ہم برًّا کو نبیًا پر عطف کریں چنانچہ قرآن میں بھی ایسا ہے تو جعلنی کے دو مفعول ٹھیرے۔ ایک نبیًا دوسرا برًّا۔ اور یہ عطف مفرد کے مفرد پر عطف کرنے کے طرز پر ہوگا۔ اور اگر برًّا سے پہلے بھی جعلنی مقدر مانا جائے اور یہ جعلنی پہلے صریح جعلنی پر معطوف کردیں تو یہ عطف جملہ کے جملہ پر عطف کردینے کے طریق پر ہوا۔ پوری آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں خدا کا خاص بندہ ہوں۔ اوس نے مجھکو انجیل عنایت فرمائی۔ مجھکو نبی مبارک کہیں پر رہوں "بنایا۔ اسنے مجھکو نماز۔ زکوٰۃ کا جب تک کہ زندہ رہوں حکم دیا ہے۔ اوسنے مجھکو اپنی والدہ پر نیکی کنندہ بنایا ہے۔ پس وہ توجیہ جو ہم بیان کرآئے ہیں تکلف اعتراض سے بری ہے اور توجیہ اس پر بنا کرکے مسیح کا آسمان پر ہوتے ہی والدہ سے نیکی کرنے کے ساتھ مامور ہونا لازم نہیں آتا۔

Marfat.com

وان سلمنا التوجيه الذی ذکرہ ذلک وقطع النظر عن لزوم المحذور والتکلف فلا نسلم ان ایمتارہ بہذا الامر فی تلک الحال غیر متصور اذالبر کما ھو متصور فی زمان حیاۃ البار والمبرور الیہ کلیھما کذلک یتصور فی زمان ممات المبرور الیہ بالاستغفار لہ واھداء ثواب الطاعات الیہ فجزم المستدل بعدم امکان بر المسیح علیہ السلام بوالدتہ فی تلک الحالۃ جزم فی غیر محلہ وجملۃ المرام وخلاصۃ الکلام ان المسیح رسول اللہ حی الی الآن ومرفوع الی السماء بجسدہ وھذہ المسئلۃ

کیونکہ بریں تقدیر مادُمتُ حیًّا (جبتک کہ زندہ ہوں) کی قید اگر ہے تو صلوۃ۔ زکوۃ کی فرضیت کے واسطے ہے۔ نہ بَرًّا کے لئے۔ اگر ہم کادیانی کی توجیہ کو ہی مان لیں گے۔ اعتراض بکلف مذکورین سے قطع نظر کرلیں تو پھر اس بات کو کہ مسیح علیہ السلام کا آسمان پر ہوتے والدہ سے بار ہونا متصور نہیں تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ احسان جیساکہ نیکی کنندہ اور نیکی کردہ شدہ کی حیات میں متصور ہے۔ ویسے ہی جس زمانہ میں نیکی کا مستحق مرگیا ہو۔ اسپر احسان کرنا متصور ہے۔ کیا اسکے لئے استغفار اور دعای ترقی درجات اور ثواب پہونچانا احسان نہیں بیشک احسان ہے لیکن یہ تو آسمان پر ہوتے ہی خواہ مستحق زندہ ہو۔ یا مردہ۔ متصور ہے۔ لہذا کادیانیوں کا یہ حکم بالجزم کہ آسمان پر ہوتے احسان متصور نہیں۔ کیسا ہی محل ہے خلاصہ کلام کہ مسیح علیہ السلام خدا کے رسول ابتک زندہ ہیں اور آسمان پر بجسدہ موجود ہیں سب یہ ہے کہ یہی بات

لہ حضرت مصنف مرشد الکل کی تقریر سے مترشح ہوتا ہے کہ مادمت حیًّا بنیا مبارکًا کے لئے ہی قید نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آویگا کہ مسیح ع بعد الموت نہ نبی ہوں اور نہ مبارک العیاذ باللہ۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اگر مادمت حیًّا برًّا کی قید ہی مان لیں تو حاضر ہونا خاص خدمت کے لئے شرط ہے دیکھو مسیح ع یا اور کوئی خدمت خاصہ کے ساتھ تب ہی مامور ہے کہ جبکہ حاضر خدمت ہو۔ اس لئے اگر بیٹا سفر میں اور والدین۔ یا ایک ان میں سے مقیم ہو تو خاص خدمت اسی ضروری سفر میں فرض نہیں ہو سکتی ورنہ چاہیے تھا کہ مسیح ع جس حالت میں تبلیغ کے لئے مسافر اور والدہ سے جدا ہوتے تب اس خاص خدمت کی ترک سے گنہگار ہوتے نعوذ باللہ یا تو ثابت کردیں کہ مسیح ع والدہ سے کبھی بھی زمین پر ہوتے جدا نہیں ہوئے تو تاہم کچھ بن پڑے گا۔ لیکن اسکا ثبوت کہاں ہے ۱۲ مترجم

وصاحب الوجیز والبیضاوی القول بوقوع موتہ الی النصاری وانہ قال فی الوجیز حیوة المسیح مما اجمع علیہ المسلمون واخبر الحافظ ابن القیمؒ والفاضل اللکھنوی نقلا عنہ بتحقق اجماع المسلمین کلّھم علی حیاتہ علیہ السلام فلم یبق للمنقول عن وھب محمل سوی ذلک الاحتمال ولئن تاملت فی رسائل الکاذب الکادیانی ما وجدت دلیلا لا شرعیا ولا عقلیا بیدہ علی ما ادعاہ ووجدت اقوی دلائلہ ما لا یعدہ اولو العقول دلائل بل استبعادات عادیۃ واستیحاشات بعدم موانستہ کما ھو داب ارباب الجھالات من عد الاستبعاد استدلالا کاستدلال بعض کفرۃ ایام الجاھلیۃ باستبعاد احیاء العظام وھی رمیم وقد اخبر منہ اللہ الحمید فی کتابہ المجید حیث قال عزّ وجلّ اولم یر الانسان انا خلقناہ من نطفۃ فاذا ھو خصیم مبین. وضرب لنا مثلا ونسی خلقہ قال من یحی العظام وھی رمیم وکاستدلال بعضھم کما حکی اللہ تعالی اجعل الالھۃ الٰھا واحدا ان ھٰذا لشئ عجاب وکثیر من

اور صاحب وجیز نے اوس قول کو نصاریٰ کیطرف منسوب کیا ہے بھلا ایسا کیوں نہو۔ وجیز میں لکھا ہے کہ مسیحؑ کے ابتک زندہ ہونے کے بارہ میں اجماع ہے۔ حافظ ابن قیمؒ رحمہ اللہ اور فاضل لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نقلًا بیان کرتے ہیں کہ کل مسلمانوں کا مسیح علیہ السلام کے زندہ ہونے پر اتفاق ہے۔ لہٰذا وہبؒ کی نقل کے واسطے اور کوئی محمل ماسوا اسکے جو ہم بیان کر آئے ہیں نہیں ہے۔ اے ناظرین اگر آپ کادیانی کے رسائل کو غور سے دیکھیں گے تو واضح ہو جاویگا۔ کہ کادیانی کے پاس نہ تو شرعی اور نہ عقلی دلیل ہے۔ صرف یہی دیکھینگے کہ اسکی دلیل بجز اسکے کہ یہ خلاف عادت ہے یا بعید ہے اور کچھ نہیں۔ یہی اسکا بھاری تمسک ہے لیکن یہ داب ان لوگوں کا ہے۔ کہ جنکو علم نہیں ہے یا ایسا ہے کہ جسطرح زمانہ جاہلیت میں کفار بوسیدہ ہڈیوں کے زندہ ہونے کو (قیامت کو) بعید اور محال جانتے تھے چنانچہ خداوند تعالیٰ اسکی قرآن میں خبر دیتے ہیں کہ انسان نہیں سوچتا ہے کہ ہمنے اسکو نطفہ سے پیدا کیا ہے اب وہ ظاہر جھگڑالو بن گیا ہے اور وہ مثال بیان کرتا ہے اور اپنی پیدائش کو بھول گیا ہے۔ یہ انسان کہتا ہے کہ خداوند عزاسمہٗ قیامت کو بوسیدہ ہڈیوں کو کیسے پیدا کریگا یعنے کافروں کا اسکو بعید سمجھنا بالکل باطل ہے کیونکہ جسحالت ہیں کہ انسان کو منی سے

Marfat.com

ھٰذہ الامثال مذکور فی کتاب المستطاب وقد حصل الفراغ من تحریر ھٰذہ
الرسالۃ النافعۃ سنۃ الف وثلثمائۃ واحدی عشر من الھجرۃ النبویۃ علی صاحبہا
الوف الوف صلوٰۃ وتحیۃ والمرجو من المطالعین لہا ان لا ینسونی من ادعیتہم
فی خلصا وقاتہم بالعافیۃ والانسلاک بمسلک اھل السنۃ والاختتام
بحسن الخاتمۃ ولیکن اختتام الرسالۃ بہذا الکلام وعلی اللہ التوکل وبہ الاعتصام
واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ علی خلیفتہ وخیر خلیقتہ محمد واٰلہ و
صحبہ وعشیرتہ ومن تبعہم الی یوم الدین اجمعین ط

پیدا کرتا ہے تو وہ ہڈیوں کو زندہ کیوں نہیں کر سکتا ہے ہڈی تو گردہ سنی انسانیۃ کیطرف
اقرب ہے۔ اسیطرح پر کافروں کے ستبعاد سے قرآن شریف میں یوں خبر دی گئی ہے کہ کافروں نے
کہا ہے کہ معبود کا ایک ہی ہونا عجیب ہے۔ غرضکہ اسیطرح پر قرآن شریف میں کافروں کے استبعادات
بیان فرمائے گئے ہیں۔ مگر خوف طول سے تھوڑے ہی پر بس کیگئی۔ فائدہ کادیانیوں اور نیچر پسندوں
نے دراصل محال اسکو بھی سمجھہ لیا ہے جو نادر الوقوع ہو نیز اسکو جو انکی عقل سے بعید ہو۔ مگر تعجب
آتا ہے کہ ڈھیل ڈال تو پنجاب سے فرانس تک عریض و طویل رکھتے ہیں۔ اپنی عالی فہمی پر تو اتنے
نازاں ہیں کہ علما و فضلا اسلام کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ محال کس
چڑیا کا نام ہے۔ بھلے مانس میں امتیاز نہیں رکھتے کہ محال اور ہے اور نادر الوقوع اور ہے۔ رہی عقل سو اگر
انکی عقل سے بعید ہے تو اہل اسلام کی عقل کے نزدیک ایسی امورات کا خداوند تعالی سے ظہور بالکل آسان ہے،
اور وہ قادر مطلق ہرگز ایسے امورات کے پیدا کرنیمیں عاجز نہیں گو انکی عقل اسے عاجز سمجھہ رکھے۔ نیز انسان کی
عقل کیا غلطی سے مبرا ہے تو پہر وہ کیوں اپنی عقلوں پر بہروسہ کرکے نقول قطعیہ کو تاویلات رکیکہ سے مطابق
عقل بنانا چاہتے ہیں۔ کیا ایک امر یقینی کو غیر یقینی پر محمول کرنا داب دانش مندی ہے۔ انتہے
حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ بلاشبہ اس کتاب کے لکھنے سے جو لوگوں کے لئے نافع ہے ۱۳۱۱ ہجری
میں ہم فارغ ہوئے۔ آپ ناظرین سے التماس ہے۔ کہ اپنے خاص وقتوں میں ہمکو دعائے حسن خاتمہ و
وامثالہ سے یاد کرتے رہیں اسی کلام سے اس کتاب کا اختتام بھی ہوا۔ خداوند تعالی ہی پر بہروسا ہے
آخری ہمارا یہ دعوی ہے کہ تمام حمد خاص خداوند تعالے کو ثابت ہے جو تمام خدا ہے حبیب بہترین خلق اور انکی قوم کیا اولاد کیا یار وغیرہ پر رحمت نازل فرماوے

Marfat.com

قد حصل الفراغ سنه ١٣٢١ھ الف وثلاثمائة واحد عشر فی عاشر الجمادی الاولی یوم
الاثنین من الترجمة الھندیة للکتاب المسمی **بالالھام الصحیح فی اثبات
حیاة المسیح** الذی ھو من تصانیف العلامة الجامع للعلوم النقلیة والعقلیة
کاشف استار الحقیقة المرضیة الفاضل اللوذعی الیلمعی محیط دائرة الاسرار
محرز قصبات العلوم القمقام النحریر الطمطام المفید والمفیض فی اللیل والنہار
کانه السحاب المدرار **شعر** کتاب صنفه حبر امام + کتاب لم یجد
مثله کرام + ھو السباح فی بحر الصلاح + فیبغضه عضوم والعقام +
انوار السعادة والفضائل من وجنتیه لامعه وآثار الصلاح والعرفان من جبینه
ساطعة ورایات العلوم بذاته وبقائه بعد ما خفضت شامخه ولعمری وان یبغضه
اھل الھواء کما ھو دابھم من الابتداء اذھم یرضون بان یتواضع الفضلاء
الصلحاء بین ایدیھم وان یختار واعقائدھم الباطلة کمن کان فی زی العلماء
ویکون جلیسھم فلاشک انه یحبه الصلحاء والابرار فی الاطراف والامصار
ولا عبرة باتباع الاراذل الجھلة الاشرار کیف فان المتبوع من یحبه الله لامن
یحبه من لا یرضی عنه الله وبالجملة ھو بین الفضلاء الصلحین کالبدر بین النجوم
ومرجع الفتاوی الباذل نفسه فی اشاعة السنة السنیه ودافع لوساوس الخناس الجنیة والانسیة
صدد الفحول الواصل علی اوج القبول عمنا واوستادنا والیه استنادنا بل استاد
الکل حضرت مولٰنا المفتی **محمد غلام رسول (پیر)** الحنفی مذھبًا
والنقشبندیة المجددیة طریقة والقاسمی عرفا المسترشد المجاز من عارف الله الاحد
خواجه دین محمد المعروف بحضرات ملاجی الخلیفة والمجاز وصاحب السجادة
ابن العارف ومظھر الخوارق محبوب الله الصمد خواجه نور محمد المعروف ببابا جی
التیراھی وجوراھی مدفنا متع الله المسلمین بطول بقائه ورحم الله من یقول
امینا وانا اضعف عباد الله الاعلی ابو الحسن **غلام مصطفی** ابن ذی الورع

سله - بسیار خوار مراد چارپا صفت ۱۲ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سله - مردبد ۱۲

والعلم والتمیز (پیر) عبدالعزیز الکشمیری مولداً والامرتسری مدفناً والنقشبندی المجددی النوری طریقتاً والقاسمی نسباً رحم اللہ علیہ وعلی اسلافہ الصالحین وانی مع قلۃ بضاعتی ونقص صناعتی زدت الترجمۃ علی الاصل تارۃ فصارت کانہا شرح مختصر وانتخبتہ مرۃ اخری وحشیتہ بحواشی مفیدۃ وذلک للتسہیل علی اہل الخبرۃ فما ظنک بالجہلۃ فی زی العلمۃ فالحمد للہ علی الاختتام ونسئلہ العصمۃ عن الخطاء وجور الاعداء الظاہرۃ والباطنۃ اللئام ونصلی علی رسولہ الکریم والہ وصحبہ الف الف الصلاۃ والتسلیم ومن تبعہم بالاحسان امین برحمتک یاکریم انت بنا برؤف رحیم وبک نستعین ونتحصن بالف الف لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

تنویر البصر فی کسوف الشمس والقمر

آجکل سنا جاتا ہے کہ بعض لوگ عقل کے اندھے بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ مسیح کے ظہور کی علامت یہ ہو کہ رمضان میں چاند اور سورج کو گرہن ہوگا۔ سو چونکہ اس رمضان میں جو ۱۳۱۱ ہجری میں واقع ہوا ہے چاند اور سورج دونوں کو گرہن ہوا۔ تو کادیانی کا مسیح موعود ہونا ثابت ہوگیا ہے۔ سو واضح ہو کہ اولاً مدعی پر لازم ہے کہ ایسی روایات کا قابل احتجاج ہونا ثابت کرے۔ ورنہ کس طرح یہ کسوف وخسوف مسیح کی علامت ٹھہریگا۔ دوم کہ رمضان میں کسوف وخسوف کا ہونا امام مہدی علیہ السلام کے خروج وظہور کی علامت ہے نہ مسیح موعود کی شاید اسکے جواب میں یوں کہدیں کہ کادیانی مہدی ہونیکا بھی دعویٰ کرتا ہے تو صاحبو یہ بھی غپ ہے۔ جیساکہ اس کا مسیح موعود ہونا از قبیل تمسخر ہے ہاں وہ اپنے مونہہ سے جو کہینگے کہتے جاویں ؎ بیحیا باش ہرچہ خواہی کن مگر علماء اسلام اور دانشمند لوگ ایسی غپوں پر ہرگز یقین نہیں کرتے۔ کیونکہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ مہدی موعود حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہونگے۔ امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ مہدی علیہ السلام مدینہ منورہ میں پیدا ہونگے۔ احادیث میں آیا ہے کہ وہ تمام دنیا کے

Marfat.com

حاکم ہونگے۔ اب دیکھئے کہ کادیانی کیسے مہدی کہلا سکتے ہیں وہ حضرت سیدۃ النساء کی اولاد ہیں
مرزا صاحب مغل کی اولاد میں سے۔ وہ امام مدینہ منورہ میں تولد ہونگے۔ کادیانی صاحب کادیاں ضلع گورداسپور
میں پیدا ہوئے۔ وہ برگزیدہ بادشاہ عالم ہونگے۔ مرزا کاشتکار۔ اگر مدینہ منورہ سے کادیان مراد رکھ لینگے جیسا کہ
دمشق سے کادیاں ہی زعم کرلیا ہے۔ اولاد سیدۃ النساء میں سے ہونیکو مشابہت پر محمول کرلینگے بادشاہت
سے تسلط باطنی۔ نیز مردود ہے کیا ہو سکتا ہے کہ لفظ مدینہ بولا جاوے اور کادیاں مراد رکھ لیا جاوے۔
چہ نسبت خاک را بعالم پاک۔ اور پہر اس قسم کے بے محل استعارات کے واسطے کونسی ضرورت داعی ہے۔
یہ تو صرف ہیکڑ بازی ہے۔ رہی یہ حدیث "لا مہدی الا عیسیٰ" سو یہ قابل احتجاج نہیں ہے کیونکہ یہ صحت
تک نہیں پہنچی ہے چنانچہ محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے صواعق میں اور دوسرے محدثین نے اسکی تصریح
کی ہے۔ سوم جن روایات سے یہ لوگ یہ خسوف و کسوف ثابت کرتے ہیں وہ یہ ہیں۔ علی بن عبداللہ ابن عباس نے فرمایا ہے
کہ مہدی تب تک خروج نہیں کرینگے جبتک آفتاب سے کوئی نشان ظاہر نہ ہوئے۔ محمد بن علی فرماتے ہیں کہ مہدی کیلئے
لئے دو نشان ہیں ایک کہ چاند کو رمضان کی پہلی رات میں اور سورج کو پندرھویں تاریخ کو گرہن ہوگا۔ اشاعۃ
میں لکھا ہے کہ چاند کو رمضان میں دو بار گرہن ہوگا۔ نیز شریک نے روایت کی ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور
سے پہلے رمضان میں چاند کو دو بار گرہن ہوگا۔ من حجج الکرامۃ فی آثار القیامۃ۔ اب کہیے کہ مرزا صاحب کیسے سچے
بن سکتے ہیں اولاً مطابق روایات مذکورہ کے چاہیے تہا۔ کہ گرہن پہلی رات اور پندرھویں تاریخ کو ہو۔ لیکن وقوع
میں ایسا نہوا بلکہ رمضان گذشتہ میں چاند کو چودھویں رات اور سورج کو انتیس تاریخ میں گرہن ہوا چنانچہ
تمام دنیا پر واضح ہے۔ پنجابیوں میں یہ مثال کہ "واہ الٹی سمجھ والیا بیرا ینگی سی ہیٹھ نوں۔ دیتوا ویر نوں"
مشہور ہے سو اس موقع پر خوب چسپاں ہے۔ دوم کہ چاہیے تہا کہ چاند کو دو بار گرہن ہو۔ لیکن ماہ مذکور میں ایک ہی بار
ہوا۔ پہر فرمائیے کہ مرزا کے لئے یہ خسوف و کسوف کیسے حجت ہو سکتا ہے۔ سوم روایات مذکورہ سے یہ بات پائی جاتی
ہے کہ مہدی موعود کے ظہور سے پہلی یہ علامتیں ظاہر ہونگیں۔ لیکن مرزا کا خروج تو سالہاے سال اس خسوف و کسوف
سے پہلی ہو چکا۔ واہ حدیث فہمی ہمارے دشمن اس روایت پرست ہاں چہارم علامت کے پائے جانے سے یہ لازم
نہیں آتا کہ صاحب علامت بھی اسکے پہلی یا پیچھے اور پہر قریب قریب ہی موجود ہو۔ کیا دیکھتے نہیں کہ قیامت کی علامتیں
کتنی ہی پائی گئی ہیں اور موافق اقوال مرزا صاحب تو غالباً سب ہی علامتیں موجود ہو چکیں ہیں حالانکہ قیامت کا
ابہی تک وجود ہی نہیں بلکہ خداوند تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کب ہوگی۔ پس بالفرض خسوف و کسوف جو واقع ہو چکا ہے

اگر یہی مہدی کی علامت ہو تو اس سے کب لازم آتا ہے کہ مہدی موجود ہو چکا ہو۔ یا بعد ازاں نے الفوری موجود ہو جائے نہیں جائز ہوگا کہ مہدی اس سے متاخر سالہاے سال ہو۔ علاوہ براں مہدی موعود کے ظہور کی یہی چند نشانات ہی نہیں ہیں۔ بلکہ اور بھی ہیں۔ دیکھو حسین بن صامت نے حسین بن علیؓ سے سوال کیا۔ کہ حضرت مہدی علیہ السلام کی نشانی انکے ظہور سے پہلے ہی کوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بنی عباس ہلاک ہونگے بعد ازاں ایک سفیانی انپر خروج کریگا۔ اور وہ زمین بیدا میں دھس جاوے گا۔ غرضکہ حضرت امامؓ نے فرمایا۔ کہ یہ علامتیں یکے بعد دیگرے ظاہر ہوویں گی۔ بنی عباس تو ہلاک ہو چکے ہیں باقی دو علامتیں ابھی تک ظاہر نہیں ہوئیں ملخص از حجۃ الکرامۃ۔ لہذا یہ دو علامتیں بھی جبتک کہ نہولیں تب تک کوئی مدعی نہیں ہوسکتا ہے۔ علی ہذا القیاس اور بھی نشانات ہیں کہ ابھی تک وہ ظاہر نہیں ہوئے ہیں۔ چنانچہ واقفان حدیث و تواریخ پر واضح ہے۔ رہے بے محل استعارات اور خرافات۔ سو انکا کیا ٹھکانا۔ اور اعتبار ہے۔ جیساکہ مرزا صاحب نے کادیاں کے مخالف نیک مسلمانوں کو اپنے رسالہ میں یزیدی وغیرہ قرار دیا ہوا ہے سو صاحبو یہ زبان درازی اور ایک بیہودہ بکواس ہے۔ ایسے مرادی معنے کے لینے سے دانشمند لوگ ہرگز خوش نہیں ہوتے بلکہ سخت نفرت ظاہر کرتے ہیں اور ایسے مضامین کو گندہ سمجھتے ہیں۔ ہاں معہذا اگر بعض سادہ لوح کورباطن ایسی رٹل باتوں پر یقین کرینگے تو وہ جانیں۔ لیکن میں انکو پھر بھی نصیحت کرتا ہوں اور یاد دلاتا ہوں کہ بھایو تم ان دعاوی کی طرف التفات نہ کرو۔ ایسے دعاوی تو اس زمانہ سے پہلے بھی ہو چکے ہیں۔ سید محمد جونپوری نے مہدی ہونیکا دعوےٰ کیا۔ شام میں ایک ایسے ہی شخص نے مسیح موعود ہونیکا دعویٰ کیا تھا۔ چنانچہ تواریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا۔ دور کیوں جاتے ہو لاہور میں اسی زمانہ میں ایک سبزی فروش موجود ہے وہ جابجا کہتا ہے کہ میں مہدی ہوں۔ خوب مسیح موعود کاشتکار۔ اور مہدی سبزی فروش مصرعہ ایچنیں تو ال را باید وصولی اینچنیں ٭ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون ٭ پس اے سادہ لوحو تم کیوں آجکل کے دعاوی پر ایمان لاچکے ہو۔ کیوں نہیں کہدیتے ہو کہ آجکل کے دعاوی ویسے ہی غلط ہیں جیسے کہ پہلے بعض طالبان دنیا نے جھوٹے دعوے کئے ہیں۔ کیوں آجکل کے خرافات کے سنتے ہی گھبرا گئے ہو اتنا تو خیال کرو۔ کہ زمانہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آجتک کسی پیشواے دین نے آیات و احادیث کے یہ معنے کئے ہیں جو آجکل کے مدعی کرتے ہیں۔ آخر تمام پیشوایان دین کو غلط فہم کہو گے۔ لیکن

اس صورت میں بے شک ایسے لوگ اسلام کے دشمن سمجھے جائیں گے۔ باز آو۔ باز آو۔ باز آو۔
مسلمانوں میں تو پہلے ہی اختلافات اور جھگڑے ہیں تمنے اور بھی مسلمانوں میں تفرقہ بڑھا دیا ہے
تعجب ہے کہ جو لوگ آجکل مرزا کے مسیح موعود کے اثبات میں کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ واعظ حسن علی
صاحب جو آجکل مدراس و بنگلور میں اہل اسلام میں تفرقہ بڑھا رہے ہیں اور لوگوں کو مرزائی بنانا چاہتے
ہیں۔ گو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہی امرتسر وغیرہ میں منبر پر چڑھکر رو رو کر کہتے تھے مسلمانو
سنت و مستحب کے جھگڑے انکو چھوڑو۔ آپسمیں اتفاق پیدا کرو اب وہی دیکھئے فساد پر کمربستہ ہیں +
العیاذ باللہ غرضکہ حق سبحانہ و تعالےٰ اگر اسلام کی حفاظت کریگا تو مسلمان متفق ہی ہونگے۔ ورنہ
آجکل کے مدعیوں نے کوئی دقیقہ فساد کا باقی نہیں چھوڑا۔ پس اسے بھائیو یہ جو مینے لکھا ہے محض
نیک نیتی سے لکھا ہے تم اسے قبول کرو اور قدیمی عقائد کے پابند رہو۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم

تمت

خاکسار
ابوالحسن غلام مصطفےٰ مترجم

تقریظ از صاحب فطانت و صلاح آگین و باعز و تمکین مولوی غلام محی الدین سلمہ اللہ المبین ابن اخ حضرت مصنف و برادر عینی مترجم

الحمد للہ الذی نجنا من مکائد الکائدین وحفظنا من شرور المحدثین فی الدین والصلوٰۃ والسلام علے رسولہ وحبیبہ الذی اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ ومنہ الی السمٰوٰت العلےٰ وعلی الہ واصحابہ الذین اشاعوا دین الحق والھدیٰ اما بعد فھذا کتاب مستطاب مملو من البیان الفصیح المسمّےٰ بالالھام الصحیح فی اثبات حیات المسیح نافع المسلمین وھاد لکل البین

الذین خلعوا من اعناقهم ربقة اجماع المؤمنین وانکروا صعود المسیح بجسده
العنصری من الغبراء الی الخضراء ویکفرون بحیوته علیه التحیة والثناء فحرر فیه
ثبوت حیاة المسیح وصعوده من الارض الی السماء علیه الصلوة من غیر عد ولا
احصاء صنفه الذی عم فیضه فی الاکناف والاطراف وحصل منه العلوم
کثیر من الشرفاء وقلیل من الاجلاف وهو صاحب مکارم الاخلاق والالطاف
عالم من العلماء الفحول مرجع الشیوخ والکهول جامع للمعقول والمنقول حاو
للفروع والاصول نائب ابی البتول لا یخاف لومة لائم مولینا واستاذنا
وعمنا المفتی محمد غلام رسول (پیر) الحنفی النقشبندی الامرتسری الذی
نسبه الی حضرت القاسم بن حفظه الله من شرور الملحد الظالم بحرمة حضرت
ابی القاسم علیه الصلوة والسلام من الله الحاکم وترجمه اخی الاکبر منی سنا والاعلی
علما تلمیذ المصنف العلام وابن اخیه صاحب الورع والتقی محسود الجهلاء محمود
عند العلماء الصلحاء مولوی ابو الحسن (پیر) غلام مصطفی القاسمی مصنف
انوار محمدی (وغیره) عصمه الله من الباساء والضراء ما دامت الارض والسماء
وانا الراجی الی الله المستعان المعین غلام محی الدین القاسمی الامرتسری مولدا
ومسکنا عفی الله عنه واخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمین ط **تمت**

معہ قطعہ تاریخی

قصیدہ متضمن تاریخ از ابلغ البلغا و افصح الفصحا لشعرا فطانت و شرافت پناہ

جناب پیر سید احمد شاہ صاحب خلف رشید ذو ورع و تقی ذی جاہ پیر سید ولی اللہ صاحب

مرحوم کشمیری ثم الامرتسری

خدائے ہادی مطلق کہ از فیوض عمیم	بمشت خاک عطا کرد درک و گرد انجم
سکون بارض و فلک را ہوائے سیاری	مرا بعرش و سمک را قرار در قلزم

غلط نامہ ترجمہ والتنویر والتقریظات وغیرہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۷	۹	سالطعم	ساطعة
۱۰۹	۱۶	تمام دنیا پر	لوگوں پر
"	۲۰	حدیث	روایات
"	۲۳	موجود ہی	وجود ہی
۱۱۱	۳	مسیح موعود کے	مسیح موعود ہونے کے
"	۱۹	وہادٍ لک المن	وہادٍ للضالین
۱۱۲	۳۰	مسیح	عیسے
"	۱۶	متضمن تاریخ	-
۱۱۳	۳	تجم	نجم
"	۶	نخبة	نخبۂ
"	۹	محلم	احلم

تصحیح اغلاط متن عربی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	لا یمیزون	لا یمیزون
۶	۱	عن	الی
۱۲	۶	احدهما	احدهما
۱۲	۹	ولم یخل	والا لم یخل
۱۳	۲	لما	لانه لما
۱۵	۴	الجزئیة	الجزئیة
۱۶	۵	واللحوق	واللحوق
۲۲	۷	ماعد	ماعدا
۲۵	۷	مطلقه	مطلقة
۲۷	۷	ووالسلب	والسلب
۴۰	۸	مزق	فرق
۴۴	۴	حقیقیا	حقیقیا
۵۴	۳	الحملة	الجملة
۵۵	۹	فی	+
"	۱۰	الشئ	لشئ
۶۵	۱	نبل	قبل
۶۹	۱	ومن	من
۷۰	۵	لا ینافی	الذی لا ینافی
۷۱	۳	المنصف	المنصف
۷۴	۱	یتحرك	تحرك
۷۸	۷	نسلیم	نسلم
[illegible]	۱۰	تعیین	تعیین
۸۰	۸	مرتبة	مرتبة
۸۳	۲	لماتکن	لما لم تکن
۸۹	۳	بهذه	بهذه
۹۰	۱	الناقص	الناقض
۹۱	۷	الضال	الضال
"	۹	التوافق	التوافق بالعربیة
۹۲	۷	لم تیعلم	لم یتعلم
۹۳	۴	تادینه	تادیة
"	۸	توجیب	لوجیب
۹۴	۱	بماثلة	یماثله
"	۲	لیتشبهه	یتشبهه
۹۷	۷	الحالی	الخالی
"	۸	توجیه	من توجیه
۱۰۴	۳	فاخذه	فاخذها

قصیدہ مشتملہ بر تقریظ نسخہ مطبوعہ فوائد لوح و الحجاب پیر سوہ صاحب الشان معلی ساکن امرتسر ٹکرجیکمال

اے مسلمانو کہو اسلام کو اب خیر باد
بے مہار اشتر سا جس جا ہا بدہر جانے لگا
عالم و فاضل رہا پھر کون اتنا کہہ تو دیں
کانا بھی جب آنکھ میں سرمہ کو ٹھسکانے لگا
الغرض بے امتیاز ایکبار ہا طوفان یوں
کادیانی نیچری اور انکو بہکانے لگا
استعاروں سے وہ سمجھا چیستان فرقان کو
غیر خسراں ایسے دعوے میں یہ کیا پانے لگا
شان حضرت میں ہے من بعدی اسمہ احمد نزول
دین حق کو کیوں بہلا ای شوخ تو ڈھانے لگا
ہاں کہیے اجماع کو اجماع کو راتہ ہے یہہ
اسلئے ناداں تجہے ہر ایک دُر کانے لگا
گردن گردن کشاں کی قطع کرنے کے لئے
نام سے جنکے مخالف خود ہی گھبرانے لگا
انکی تصنیف ہیں ایسا ہوا ہے حق ادا
عرش اعظم سے صدائے مرحبا آنے لگا
یہ رسالہ ہے مسمے جو بالہام صحیح
غم سے اب تو کادیانی آپ مرجانے لگا
ہے حقائق اور دقائق عقلی و نقلی سے پُر
گلشن اسلام اس سے تازگی پانے لگا
کیوں نہ ہو ایسا ذکی ایسا فہیم ایسا عقیل
جب سے انوار محمد سکو ملجانے لگا
انکی کوشش سے مقصد کا سمجھنا سہل تر
راہ گم کردوں کو یا باہ دکھلانے لگا

دیکھو تم کس کس طرح شیطان بہکانے لگا
فرق کچھ باقی نہ چھوڑا حلت و حرمت میں آہ
جاہل ظالم جو اپنا علم جتلانے لگا
نغمہ داودی سمجھے انکر الاصوات کو
مور سا عاجز سلیماں آج کہلانے لگا
کرکے دعوائے مسیحیت وہ مخبوط الحواس
اور حدیثوں کے وہ اُلٹے معنی بتلانے لگا
یہہ نہ سمجھا میں کہاں اور حضرت عیسےٰ کہاں
میری حقمیں ہے یہ ایما سبکو سمجھانے لگا
حق کہے انعام میرے ہیں یہ تحبیر ای مسیح
کسقدر یہ ضال شوخی اپنی دکھلانے لگا
امت مرحومہ پر کیا فضل حق ہے واہ واہ
خائنہ علماء دین ہے جھوٹ اوڑ جانے لگا
اور مبارک جنکا نام نیک ہے عبد الرسول
مرزا اپنے پانو سے اب آپ ہی جانے لگا
چمکا جب خورشید تاباں دور ظلمت ہو گئی
مرزا کی بیخ اب جڑ سے اکھڑ وانے لگا
ہے یہ عربی میں رسالہ کوزہ میں دریا ہے بند
بالمقابل اسکے کیونکر میرزا آنے لگا
ہیں مترجم اسکے مولٰنا غلام مصطفےٰ
مفتی دوراں سے فیض علم جو پانے لگا
باحواشی ترجمہ اُردو میں املا کر چکے
ہو گیا اور عقدہ دل صاف کہلجانے لگا
یا الٰہی کر ہدایت اہل ایماں کو نصیب

کردیا آزاد سبکو قید امر و نہی سے
نے تمیز کوئی رہا۔ پایا جو کچھ کھانے لگا
ناز و غمزہ اس جہاں کا پھر نہ کیوں جائے گم
غشیہ غش کہانے لگے جبدم گدہا گانے لگا
اہل رفض و خارجی دشمن ہیں اپنے آپکے
بے شبہ تخم بدی دنیا میں پہیلانے لگا
کہکے خیر منہ شیطاں نے لیا لعنت کا طوق
منہ سے کہاتے کہاتے اب وہ ناک سے کہانے لگا
مسمریزم معجزات ابن مریم کو کہے
وہ کہے ہے مسمریزم حق کو جھٹلانے لگا
ہے غضب پاس ادب ہے بے ادب تجھمیں نہیں
سیف قاطع عالموں کی خوب چمکانے لگا
خاص کر جو فاضل اکمل جناب مولوی
علم و فضل و حلم کا جنسے نشان آنے لگا
ہم نہیں فقط ثناخواں ہیں ملک مدحت طراز
آپ ہی مرزا سزا اس ظلم کی پانے لگا
نص قاطع سے کیا ثابت کہ زندہ ہیں مسیح
دیکھو موجیں کیا ہیں اسکی کیا ہی لہرانے لگا
کیوں نہ ہو مشکور اہل دین الٰہی سعی پر
علم و دانش میں وہ گوئے فضل لیجانے لگا
ہر طرف دنیا میں پھیلا انکا فضل و کمال
آفتاب باصداقت نور چمکانے لگا
حق تعالیٰ انکو بھی اجر اسکا نیک دے
تو بچاوے جسکو وہ کب بلا میں گرجانے لگا

ملہم ہو کر یہ رسالہ سال ہجری لفظوں میں + تیرہ سو گیارہ بتا کر دل یہ سمجھانے لگا + کس لیے دکھی ہے تجھکو استقدر اے مرزا اس + دین کا فدا ہے کیوں گھبرانے لگا

Marfat.com